بسم اللہ الرحمن الرحیم ۝ فیھا ما تشتھیہ الانفس وتلذ الاعین

خدائے رحیم اور مہربان کے نام سے شروع کرتا ہوں

اس میں ایسی چیزیں ہیں جن کو بہت سے دل چاہتے ہیں اور جن سے بہت سی آنکھیں لذت پائیں گی

فلاح و ترقی کے اصول

یا

حقیقی اسلام اور تعلیمات رسول صلی اللہ علیہ وسلم

مصنفہ

محمد سراج الحق مچھلی شہری

جس کو پسر مصنف

حافظ محمد عبد القدوس رومی نے اسرار کریمی پریس الہ آباد میں چھپوا کر شائع کیا

بار اول ۱۳۶۵ھ ۱۹۴۶ء

ایک ہزار

قیمت ۱۲

فہرست مضامین

۱	دیباچہ	... ...	۱
۲	مقدمہ	(محاسن الاسلام)	۲۰
۳	فصل اول	انسان اور انبیا کا تعارف	۲۱
۴	〃 دوم	اقوام و ملل شرایع اور نسخ اور بعثت محمدیہ ...	۲۷
۵	〃 سوم	دین و دنیا۔ ثواب عذاب ور اسلام کا مطمحِ نظر ..	۳۳
۶	〃 چہارم	عزت اور ترقی کی حقیقت	۴۱
۷	〃 پنجم	پیروئِ نفس اور قرآنی اصطلاحات	۴۵
۸	〃 ششم	اسلام کے اقسام اور فوائد	۴۹
۹	〃 ہفتم	ترقی کے خداوندی قوانین و اصول۔ مجمل ...	۶۱
۱۰	〃 ہشتم	یورپ کے اصول ترقی اور انکا موازنہ قوانینِ خداوندی سے	۵۳
۱۱	〃 نہم	مسلمانوں کی بیماریاں اور مشورہ	۸۵
۱۲	رسالہ فروع الایمان	(قوانینِ خداوندی۔ مفصل)	۸۹
۱۳	خاتمہ	ایک چہل حدیث۔ دعائے مسلم	۱۵۰
۱۴		تقاریظ اکابر	۱۵۷

Scanned with CamScanner

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

حمد و صلوٰۃ کے بعد احقر محمد سراج الحق بن حافظ محمد فضل حق مچھلی شہری غفر لہما عرض پرداز ہے کہ کچھ عرصہ سے بعض مضامین اسلام کے محاسن کے متعلق ذہن میں آتے رہے لیکن ان کو قلمبند کرنے کا کوئی قوی محرک پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اس لئے اُن کو ضبط کرنے کا اتفاق نہ ہوا۔ اتفاق سے ۱۳۶۱ھ میں حضرت حکیم الامۃ حجۃ الاسلام مرشدی و مولائی مولانا اشرف علی صاحب فاروقی چشتی تھانوی قدس اللہ سرہٗ العزیز کا رسالہ 'فروع الایمان' دیکھا۔ اس کے مطالعہ نے یک بیک مجھے اپنے منتشر خیالات کے مرتب کرنے پر آمادہ کیا۔ چنانچہ میں نے وہ تمام مضامین مرتب اور حسب استطاعت مدلل کئے۔ اس طرح تقریباً پچاس صفحات کا ایک رسالہ تیار ہوا۔ پھر میں نے کتاب 'فروع الایمان' کی اپنے طور پر تلخیص کی اور بعض جگہ تسہیل و تشریح بھی کی۔ بعض جگہ بعض عنوانات کی آیات و احادیث تلاش کرکے اضافہ کیں۔ کہیں اس کی بعض احادیث کو حذف کیا اور کہیں بعض زیادہ مفصل حدیث درج کی پھر لفظ مطلب لکھ کر اپنے نقطۂ نظر اور اپنی زبان میں اس کی تشریح و توضیح کی۔ اس کے بعد میں نے اپنے رسالہ 'محاسن اسلام' کو اس تلخیص 'فروع الایمان' کا مقدمہ بنا دیا۔ مگر چونکہ اس تمام عمل تلخیص و تسہیل یا ترمیم و تشریح میں نیز اس مقدمہ میں میں نے اہلِ دنیا کے مذاق کی زیادہ رعایت کی ہے۔ اس لئے ادبا

جی نہیں چاہتا کہ اس مجموعہ کو حضرت مرشدی حکیم الامتہ رحمہ اللہ کی طرف منسوب کردیا پس اس کو ایک جداگانہ رسالہ قرار دیتا ہوں اور اس کا نام "فلاح و ترقی کے اصول" یا "حقیقی اسلام اور تعلیمات رسول ﷺ" تجویز کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائیں اور نافع بنائیں آمین !

اب اس مجموعہ میں ایک مقدمہ ہے جس میں نو فصلیں ہیں اور دسویں فصل میں اصل رسالہ 'فروع الایمان' کی تلخیص ہے۔ اس کے بعد ایک خاتمہ ہے۔ اس میں بحمد اللہ کوئی ساٹھ آیتوں اور تقریباً سو حدیثوں کی مختصر شرح ہو گئی ہے۔ اس ساری کوشش میں اگر کوئی کام کا نکتہ اس ناچیز کے قلم سے نکل گیا ہو تو وہ حق تعالیٰ کا فضل ہے جو اس ناچیز پر حضرت مرشدی نور اللہ مرقدہ کا فیض بنکر وارد ہوا اور جو کچھ نقص و عیب ہو وہ میری ذات کا ہے ؎

میرے ساقی نے مجھے دی تھی مئے بے درد صاف رنگ جو کچھ دیکھتے ہو میرے پیمانے میں ہے (اصغر)

اس رسالہ کا موضوع جیسا اس کے نام سے ظاہر ہے "تعلیمات اسلام میں دنیوی منافع" ہے۔ اور اس کی غرض یہ ہے کہ اصل دین کو جدید تعلیم یافتہ طبقہ تک انھیں کی زبان میں پہنچایا جائے۔ چونکہ یہ آواز مذہبی دنیا میں نرالی ہے اس لئے اکثر ارباب زہد و اخلاص کا ذہن یہاں پہنچکر رکنے لگتا ہے اور وہ فرط اخلاص میں ان امور کے تصور کو بھی بیدینی، نیچریت اور الحاد وغیرہ کا مرادف سمجھتے ہیں۔ وہ غایت اخلاص میں دین کو دنیا سے بلکہ اس کے ادنیٰ سے شائبہ سے بھی بالا و بری دیکھنا اور سمجھنا چاہتے ہیں۔ ہم ان کے اس جذبۂ خلوص کو پوری عزت اور احترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں مگر نہایت ادب سے یہاں دین و دنیا کے متعلق اپنا تصور اور نظریہ پیش کر دینا

ضروری سمجھتے ہیں امید ہے کہ اسی مرکزی نقطہ کی توضیح سے ایک طرف تو بہت سے شکوک اشکالات از خود دور ہو جائیں گے اور دوسری طرف راقم کا نقطۂ نظر بھی اچھی طرح واضح ہو جائے گا جو آیندہ صفحات کے مضامین کے سمجھنے میں معین ہو گا۔

میرے نزدیک دین و دنیا دونوں سے مراد ایک کامیاب زندگی اور اس کے طریقے ہیں۔ فرق صرف عالی ہمتی یا کم ہمتی، بلند نظری یا تنگ نظری کا ہے۔ اس کو ایک مثال سے سمجھیے۔ فرض کیجیے ایک سفر ہے جس میں صرف دو ہی اسٹیشن ہیں ایک قریب اور ایک بعید۔ مگر راستہ دونوں کا ایک ہی ہے۔ پہلے اسٹیشن کے مسافر کو کرایہ میں تقریباً ۵۷[۱] روپیہ دینے پڑتے ہیں اور دوسرے یعنی آخری اسٹیشن تک کے مسافر کو کرایہ میں پورے ۷۷[۱] روپیہ ادا کرنے پڑتے ہیں۔ ہر مسافر کو پورا اختیار ہے چاہے وہ پہلے اسٹیشن تک جانے کی ہمت کرے چاہے وہ آخری اسٹیشن تک جانا چاہے۔ ظاہر ہے کہ دوسرے اسٹیشن تک جانے والے مسافر مجبور ہیں کہ وہ کرایہ بھی ادا کریں جو پہلے اسٹیشن تک جانے والوں نے دیا ہے اور وہ تمام مسافت بھی طے کریں اور اُن تمام مناظر اور مخاطرے سے بھی دوچار ہوں جو پہلے اسٹیشن تک جانے والوں پر گزریں گے اور چونکہ ان لوگوں نے آگے جانے کی بھی ہمت کی ہے اس لئے ان کو کرایہ بھی بیس روپیہ زیادہ

۱؎ ان ۵۷ اور ۷۷ روپیوں کی تشبیہ کی تلمیح یہ ہے کہ حدیث "شعب الایمان یا فروع الایمان" میں جو اس رسالہ کا اصل موضوع و مقصد ہے اور جس کی تشریح اس رسالہ کی فصل ۳ میں آ رہی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودہ ۷۷ شعبوں میں سے صرف بیس ۲۰ شعبے تو مسلمانوں کے ساتھ مخصوص ہیں اور ان کو خالص دین اور خالص اخروی امور کہہ سکتے ہیں ورنہ بقیہ ۵۷ شعبے مسلم و کافر میں مشترک ہیں۔ مسلمان وہ ۵۷ شعبے اختیار تو کرتا ہے مگر اپنے مخصوص بیس شعبوں کے ساتھ اختیار کرتا ہے اور کافر صرف ۵۷ شعبے رکھتا ہے۔

Scanned with CamScanner

دینا پڑے گا اور مناظر و مخاطر بھی بمقابلہ پہلے اسٹیشن والوں کے کچھ زیادہ ہی دیکھنے کو ملیں گے

اس تشبیہ کو ذہن میں رکھئے اور اب سمجھئے کہ اس پہلے اسٹیشن کا نام عاجلہ یا دنیا ہے جن کے لغوی معنی بھی قریب کی چیز کے ہیں یہاں تک جس نے آنے کی نیت کی اس کو کامیابی کے لئے ۷۵ قسم کے کام ضرور ہی انجام دینے پڑتے ہیں۔ اور دوسرے اسٹیشن کا نام آخرۃ یا عقبا ہے جن کے لغوی معنی بھی بعد میں آنے والی چیز کے ہیں یہاں تک جس نے آنے کی نیت کی اس کو کامیاب سفر کے لئے حسب ارشاد رسول ؐ ۷۷ کام انجام دینے پڑیں گے۔ مگر ایک بار پھر اس حقیقت کو یاد کر لیجئے کہ راستہ دونوں اسٹیشن والوں کا ایک ہی ہے۔ ان عالی ہمت لوگوں کو بھی جو بعد کے اسٹیشن یعنی آخرۃ تک جانا چاہتے ہیں پہلے اسٹیشن عاجلہ و دنیا تک سب کے ساتھ سفر کرنا ہے اور اس تک پہنچنے کیلئے وہ ۷۵ کام بھی ضرور انجام دینے پڑیں گے۔ یہ ہے میرے نزدیک دین و دنیا کا تصور اور فرق! دین اور دنیا کے اس تصور میں آپ دیکھیں گے کہ دنیا کے ساتھ ہی ساتھ دین بھی موجود ہے لیکن غالباً کچھ حضرات کے نزدیک دین و دنیا کا جو تصور ہے اس میں دنیا ہر قدم پر اس طرح جدا ہے گویا دونوں اسٹیشنوں کے راستے شروع ہی سے الگ الگ ہیں۔

یہ بات بظاہر شاید اہم نہ معلوم ہو مگر نتیجہ کے لحاظ سے یقیناً اہم ہے علماء دین کو (جن کا ہم پر اور ساری دنیا پر بڑا احسان ہے اور ہم اس کے شکر سے قیامت تک عہدہ برآ نہیں ہو سکتے کہ انھوں نے دین کے ظاہر کو اپنے درس و ارشاد سے اور اس کے باطن کو اپنے عمل و اتباع سے آج تک مٹنے سے بچایا اور اس

امانتِ نبوی کو ہم تک پہنچایا کہ آج ہم جیسے ناکارہ بھی کتاب وسنت کا نام لے سکتے ہیں، ہم دیکھتے ہیں کہ جب وہ دین کا تذکرہ کرتے ہیں اور تزکیہ باطن کی تلقین فرماتے ہیں اس وقت وہ کتاب وسنت کے الفاظ کے پابند اور اس کے مفہوم میں بہت محدود رہتے ہیں۔ شاید اس گرہ کے کھولنے کی طرف ان کی توجہ نہیں ہوئی یا انھوں نے اس کو غیر ضروری سمجھا کہ "دین ہی دنیا کو کامیاب ترین طور پر گزارنے کے طریقے بھی بتاتا ہے اس شرط کے ساتھ کہ خدا و رسول پر ایمان اور اس کے لوازم کو بھی اختیار کرے"!
ان کا وعظ و ارشاد صرف دیندار ہی طبقہ کو مفید اور معین ہوتا ہے۔ ان کی باتوں میں دنیا اور موجودہ زندگی کی کامیابی وغیرہ کا ذکر غالباً ثانوی درجہ میں بھی نہیں ہوتا۔ الفاظ ومفاہیم کا حال یہ ہے کہ ہر لفظ اپنی ایک عمر رکھتا ہے اور ہر زمانہ اپنے مفاہیم جدا پیدا کر لیتا ہے۔ جو لفظ ایک زمانہ میں سامعین کے اندر پوری گرمی اور زندگی پیدا کر سکتا تھا وہی لفظ دوسرے زمانہ میں بے روح بن کر رہ جاتا ہے اور بے مفہوم ہی بولا اور سنا جانے لگتا ہے۔ مثال کیلئے "خوف ورجا" کے لفظ کو لے لیجئے۔ ہم اس کا مفہوم غالباً جانتے ہیں۔ مقولہ "الایمان بین الخوف والرجاء" بھی ہمیں یاد ہے اور سعدیؒ کا مصرعہ
ع رہِ پارسایاں امید ست وبیم۔ بھی ہمکو معلوم ہے مگر کیا آج ہم اور ہماری طرح کتنے ہی بندگانِ خدا یقین نہیں رکھتے؟ کہ ان اصطلاحاتِ کتاب وسنت کا تعلق دنیوی کاروبار یا ہر شخص کی روزانہ زندگی کی حاجات سے نہیں بلکہ اخروی امور سے ہے اور یہ جذبات محض مقاماتِ سلوک ہیں اور اربابِ تصوف کو اصلاحِ باطن میں رہنمائی اور مدد کرتے ہیں؛ مگر مجھے تو صاف یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ جذبات خوف ورجا ہمہ گیر حقیقتیں اور ہر مسلم وکافر کو ایک کامیاب زندگی گزارنے کا طریقہ بتاتے ہیں۔ اس

Scanned with CamScanner

عالم کی اور خود انسان کی عین فطرت یہ ہے کہ کوئی شخص اس دنیا میں کوئی کام اگر کامیابی کی پوری رجاء و امید اور اطمینان و وثوق کو دل میں رکھ کر کریگا اور ناکامی کے خوف و اندیشہ کا گزر بھی اپنے دل میں نہ ہونے دیگا تو وہ بھی یقیناً ناکام رہے گا۔ اور اسی طرح اگر کوئی شخص اس دنیا میں کوئی کام صرف ناکامی کے خوف اور اندیشہ کو دل میں رکھ کر انجام دیگا اور کامیابی کی امید کی ایک کرن بھی اس کے دل میں نہ گزرنے پائے گی تو وہ بھی یقیناً اور حتماً ناکام رہے گا۔ میرے خیال میں کتاب و سنت کے یہ دونوں الفاظ عاجلہ نام اسٹیشن تک جانے والے کیلئے بھی اسی طرح ضروری ہیں جس طرح آخرہ نام اسٹیشن تک جانے والوں کیلئے ضروری سمجھے جاتے ہیں۔ ہر کام چاہے وہ کچھ ہی کیوں نہ ہو اسی طرح کرنا چاہئے کہ کامیابی کی امید بھی ہو اور ناکامی کا خوف بھی ہو اور دونوں میں سے رجاء و امید کا تناسب خوف اور بیم کے مقابلہ میں زیادہ رہنا چاہئے۔ انسان کی صلاحیتیں کچھ انھیں دونوں حدوں کے درمیان گھرے رہنے کے بعد ہی عمدہ کام کر سکتی ہیں۔

بہر حال ایک طرف عام تصور دین و دنیا کا لوگوں کے دماغوں میں ایسا ہے جو میرے تصور سے مختلف ہے اور دین کے احکام کا اور الفاظ و اصطلاحات کا مفہوم بھی ایسا ہی ہے جو میرے مفاہیم کے مقابلہ میں محدود ہے۔ دوسری طرف صورت یہ ہے کہ آج بدقسمتی اور بعد زمانہ نبوی سے مسلمان احکام شریعت کو اس لئے بھی خیرباد کہہ چکے ہیں کہ اس میں ان کو دنیوی نفع نظر نہیں آتا۔ وہ حکم شرعی سننے کے بعد دور مادیت کے ہمہ گیر اثر کے باعث اس کا اطمینان بھی کر لینا چاہتے ہیں کہ اس میں کچھ دنیوی فائدہ بھی ہے یا نہیں؟ اور اگر ان کو معلوم یا محسوس ہو جاتا ہے کہ شریعت کے

فلاں حکم میں دنیا کے فلاں منافع بھی ہیں تو پھر ان کو اس کی طرف رغبت بھی ہوتی ہے۔ آہ کہ اب ان کی تشویق کیلئے "قال اللہ و قال الرسول" کا دینی و ایمانی طرز بیان اور "فلہ الجنۃ" کا وعدہ کافی نہیں رہ گیا۔ بلکہ ان کی مادیت پسندی اور کم حوصلگی کو نفع عاجل کے افسوں کی بھی ضرورت پڑنے لگی۔ مگر چونکہ یہ بھی انسان کا اور قرب قیامت کے انسان کا ایک فطری مطالبہ ہے اس لئے اس فاطر برحق جل جلالہ نے اپنی رحمت کاملہ اور حکمت شاملہ سے فطرت انسانی کے اس پہلو کی تشفی بھی جابجا اپنے کلام پاک میں فرمادی ہے۔ بلکہ بعض انبیاء سابقین علیہم السلام نیز حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنی امت کے کوتہ نظر انسانوں کے اسی قسم کے فطری مطالبہ کی تسکین فرما چکے ہیں۔

دراصل اس سلسلہ میں چار ہی سوالات ہیں جو مختلف انداز سے ذہن میں آتے رہتے ہیں اور ایمان کی مخالفت کا وسوسہ و ایہام دل میں پیدا کرتے رہتے ہیں اور وہ یہ ہیں:۔

۱۔ احکام دین میں دنیوی منافع بھی ہیں یا نہیں؟

۲۔ اگر احکام دین میں دنیوی منافع ہیں تو کیا تعمیل احکام کے وقت ان کو بھی ملحوظ رکھنا درست ہے؟

۳۔ کیا ان احکام پر عمل کرنے کے بعد ان منافع دنیوی کا پیدا ہو جانا یقینی ہے؟

۴۔ کیا ان احکام پر عمل کرنے کی منفعتیں عطا فرمانے میں حق تعالیٰ کا دستور مسلم و کافر اور فرد و جماعت کے ساتھ یکساں ہے یا مختلف؟

یہی چار سوالات ہیں جن کے سبب سے اکثر زہد و اخلاص کو اعتراض ہونے

لگتا ہے لیکن اگر ان کو ایک طرف الحاد و زندقہ کے نقطۂ افراط سے اور دوسری طرف مکابرہ اور جمود کے نقطۂ تفریط سے بچا کر کتاب و سنت کی منصفانہ تشریحات کی روشنی میں حل کر لیا جائے تو پھر میرے خیال میں زہد کو اعتراض کرنے کی یا اخلاص کو شرمندہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ ہم مختصر تفصیل کے ساتھ اپنی معلومات کی حد تک اِن سوالات کے جوابات اور ان کے شرعی دلائل جو ہمیں مل سکے لکھتے ہیں اور اللہ سے توفیق طلب کرتے ہیں کہ ہم کو اس مزلّتہ الاقدام راہ میں اپنی رحمت اور حضرت رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل سے خود پھسلنے اور بھٹکنے سے اور دوسروں کے پھسلانے اور بھٹکانے سے بچائے آمین!

سوال اول۔ اس میں تین ہی نظریے ہو سکتے ہیں :-

(الف) ہر حکمِ دینی سے مقصود اور علت در اصل سمجھ میں آجانے والے چند خاص دنیوی مصالح و منافع ہیں اور بس۔ یعنی چونکہ مقصود یہ ہے کہ انسان کو وہ چند خاص مصالح و منافعِ دنیوی حاصل ہو جائیں اس لئے وہ حکم مقرر ہوا۔ وہ منافع مقصود نہ ہوتے تو وہ حکم بھی نہ ہوتا۔ مثلاً غسل اور وضو کا حکم محض گندگی اور میل کچیل سے پاک رہنے کیلئے اور بعض بیماری سے بچے رہنے کیلئے مقرر کیا گیا ہے۔

(ب) ہر حکمِ دینی میں علت اور مقصود صرف رضاءِ خدا ہے اور بس۔ اس میں منافعِ دنیوی ہر گز نہیں لہذا احکامِ دینی میں منافع کا اعتقاد یا تعمیل کے وقت منافع کا لحاظ اور نیت وغیرہ محض غلط اور الحاد ہے۔

(ج) ہر حکمِ دینی میں علت اور مقصود رضاءِ خدا اور بندوں کا امتحان ہے مگر اسی کے ساتھ ساتھ اس حکم میں منافع دنیویہ بھی ہوتے ہیں جن کا حق تعالیٰ کیطرف سے اطاعت کرنے والوں کیلئے وعدہ ہے۔

ان تینوں نظریوں کے متعلق فیصلہ یہ ہے کہ پہلا نظریہ تو صریح زیغ و ضلال اور زندقہ و الحاد ہے۔ اس کو امام غزالیؒ و دیگر اکابر نے کفر لکھا ہے اور یہ بھی ہے جب حکم دینی اور عبادتِ خداوندی میں بھی مقصود "صرف" دنیوی مصالح و منافع ہو تو پھر اظہارِ عبدیت اور ارضاءِ مولا کا امکان کہاں رہا؟ پھر تو وہ غرض کی غلامی اور نفس کی رضا جوئی ہوئی۔ اس کے علاوہ اس میں دو اہم خرابیاں اور بھی ہیں۔ اول یہ کہ اگر حکمِ دینی کے مصالح و منافع مقصودہ کسی دوسرے طریقے سے پورے ہوتے نظر آئیں گے تو وہ دوسرا طریقہ اختیار کر لیا جائیگا۔ اس طرح دین کا کسی معاملہ میں کوئی منصوص و مخصوص طریقہ نہ رہجائیگا اور ملت کا نظم اور امت کی وحدت یکسر پارہ پارہ ہوتی رہیگی۔ پھر تو دین گویا اک لباس ہوگا کہ جب جی چاہا بدل لیا یا ایک کھلونا کہ جب جی میں آیا توڑ ڈالا!! دوسرے یہ کہ اس صورت میں احکام پر ایمان بالغیب کی شان نہیں رہ جاتی۔ حالانکہ دین میں وہی مطلوب ہے۔ منفعتِ دنیوی کو متعین اور معلوم کر کے صرف اسی منفعت کیلئے اگر کوئی حکم کا مطیع بنا تو یہ تو دیکھ کر سودا کرنا ہوا۔ اور اللہ تعالیٰ کو حق ہے اور ان کا یہی مطالبہ ہے کہ بندے بے دیکھے سودے کا معاملہ کریں۔ منافع نہ بھی ہوں لیکن جب بھی اطاعت و تسلیم سے کام لیں۔

رہا دوسرا نظریہ تو واضح ہو کہ یہ نظریہ لاعلمی اور آیاتِ قرآنی میں عدم تدبر کے باعث پیدا ہوا ہے ورنہ قرآن و حدیث میں بعض احکام کی تاثیر، منفعت خاصہ، ثواب کا صراحۃً ذکر آیا ہے (جیسا عنقریب بیان ہوگا)

پس صرف تیسرا نظریہ ہی صحیح ٹھہرتا ہے۔ مگر اس کے ضروری آداب و لوازم یہ ہیں (۱) احکامِ دینی میں حق تعالیٰ کی طرف سے تو بندوں کا امتحان

لینے کو اور بندوں کیطرف سے حق تعالیٰ کے خوش کرنے کو علت اور مقصود جانے اور اطاعت پر منافع کو موعود سمجھے۔ (۲) کسی حکم کے متعلق اگر خدا اور رسول ہی نے منفعت وتاثیر، خاصہ وثواب بیان فرمائے ہوں اُن پر تو ایمان ولیقین رکھے اور اگر اپنے یا کسی دوسرے انسان کے فہم وخیال میں کوئی نفع وتاثیر آئے تو اس کو (جزم کے درجہ میں نہیں بلکہ) احتمال اور گمان اور اللہ سے حسن ظن کے طور پر دل میں رکھ سکتا ہے۔ وہ بھی بشرطیکہ شریعت کے کسی اصول سے ٹکراتی نہ ہوں۔ (۳) منافع کو اپنے یا کسی کے سوچے ہوئے فوائد کے اندر محدود ومنحصر نہ سمجھے۔

پس سوال اول کا جواب صحیح یہ نکلا کہ احکام دین میں دنیوی منافع یقیناً ہیں۔ نہ ہوں تو عقلی خرابی یہ لازم آتی ہے کہ پھر اطاعت والوں سے وعدہ کیوں اور کس دنیوی چیز کا ہے۔ اور نقلی خرابی یہ کہ آخر عہد سعادت اور خیر القرون کے انسانوں کو جو کچھ ملا وہ کیوں ملا؟

اس جواب کے چند شواہد حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ ولو انہم اقاموا التوراۃ۔ الآیہ (ترجمہ) اور اگر یہ لوگ توراۃ اور انجیل کی اور اس کتاب (قرآن) کی جو ان کے پروردگار کی طرف سے ان کے پاس اب اتاری گئی پیروی کرتے تو یہ لوگ اپنے اوپر سے بھی اور اپنے پیروں کے نیچے سے بھی خوب فراغت سے کھاتے (مائدہ)

۲۔ ہل ادلکم علیٰ تجارۃ الیٰ وبشر المومنین (ترجمہ) آؤ میں تمھیں ایسا کاروبار بتادوں جس سے تم دردناک تکلیف سے نجات پاتے رہو گے۔ تم اللہ

اور اس کے رسول پر ایمانِ کامل لے آؤ اور اللہ کی راہ پھیلانے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دو۔ یہ کام تمہارے ہی لئے مفید ہے اگر تم عقل رکھو پھر اللہ تمہارے گناہ معاف کر دیگا اور تم کو ایسے باغوں میں داخل کریگا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور ایسے گھروں میں پہنچائیگا جو اچھے ہوں گے اور سدا بہار باغوں کے اندر ہوں گے اور یہ بڑی ترقی اور کامیابی ہوگی۔ اور ایک اور چیز بھی خدا تم کو دیگا جس کی تمہیں بڑی خواہش ہے۔ وہ دشمنوں کے مقابلہ میں اللہ کی مدد اور دشمنوں پر تم کو فوری فتح وظفر۔ اور اے رسولؐ ایسے مسلمانوں کو (مذکورہ کامیابیوں کا) مژدہ دیدیجئے (صف)

۳۔ استغفروا ربکم انہٗ کان غفارا۔ الی اموالٍ وبنین (ترجمہ) اپنے رب سے اپنے گناہوں کی معافی مانگا کرو وہ بڑا معاف کرنے والا ہے پھر تو وہ تم پر آسمان سے موسلا دھار پانی برسائیگا اور مال اور اولاد دیکر تمہاری مدد کریگا (نوح)

۴۔ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے حاتم طائی کے لڑکے عدی کو تبلیغ اسلام ان الفاظ میں فرمائی تھی "عدی! اسلام میں آنے سے شاید تم اس وجہ سے ہچکچا رہے ہو کہ مسلمان غریب ہیں۔ بخدا ان میں اس قدر مال عنقریب ہوگا کہ کوئی لینے والا نہ رہیگا۔ شاید تم یہ سوچتے ہوگے کہ حکومت اور سلطنت آجکل دوسری قوموں میں ہے خدا کی قسم وہ وقت قریب آرہا ہے کہ بابل کا قصر ابیض اور کسریٰ کا دربار مسلمان فتح کرلیں گے۔ عدی بتاؤ اب کلمہ پڑھنے میں تمہیں کیا تامل ہے؟" یہ تقریر سن کر عدی مسلمان ہوگئے اور آنحضرت مسرور! (تاریخ طبری بحوالہ رحمۃ للعالمین)

پہلی آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ احکام خداوندی کی پابندی سے رزق میں

کشائش ہوتی ہے۔ دوسری آیت میں دین کیلئے پوری کوشش کرنیکی منفعتِ اخروی (یعنی جنت) کے ساتھ منفعتِ دنیوی یعنی دشمنوں کے مقابلہ میں مدد اور اُن پہ فتح بھی بتائی گئی ہے، تیسری آیت میں استغفار کا مال اور اولاد اور بارش کی زیادتی میں موثر ہونا بتایا گیا ہے۔ حدیث میں صاف طور پر آنحضرت ؐ نے اسلام کا نفع ونتیجہ حکومت اور سلطنت کو بتایا ہے۔ اگرچہ انداز بظاہر پیشین گوئی کا ہے۔

دوسرا سوال۔ اگر احکام میں منافعِ دنیوی ہیں تو کیا تعمیلِ احکام کے وقت ان کا لحاظ رکھنا درست ہوگا؟ پہلے سوال کے ساتھ دوسرا بھی از خود حل ہوگیا کہ تعمیلِ حکم کے وقت اس کے ثواب ونفع، خاصہ وتاثیر کے طلب کی نیت کرنا درست ہے۔

مسلم کی حدیث میں ہے "جو شخص رمضان میں (تراویح کی) نماز ایمان رکھ کر اور نماز کا ثواب ومنفعت فائدہ وخاصہ حاصل کرنے کی نیت سے پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے تمام پچھلے (صغیرہ) گناہ معاف کردیگا

اس حدیث سے تحدید منظور نہیں بلکہ اس نظیر سے ہر عملِ دین میں احتساب یعنی طلبِ ثواب کی نیت کا ثبوت ملتا ہے۔ البتہ اس کے لئے ایمان کی شرط ہے یعنی خدا پر دلی یقین رکھنے اور اس کی رضا طلب کرنے کے بعد اس عمل کا مخصوص نفع خدا سے طلب کرسکتے ہیں۔ عمل سے قبل نفعِ عمل کی امنگ دل میں رکھنی چاہئے اور عمل کے بعد خدا سے وہ نفع مانگنا چاہئے۔ اس میں الحاد ومضائقہ ہونا تو درکنار یہی شرعاً مطلوب ہے۔ چنانچہ بعض بزرگوں نے اس کا خود معمول رکھا اور اپنے متعلقین کو تلقین فرمائی کہ نہ صرف نوافل بلکہ فرائض اور نماز پنجگانہ کے وقت یہ نیت اور دعا کیا کرو کہ الٰہی اس خاص وقت میں جو تیری شان تبدیل ہوئی ہے اور اس عمل میں جو تاثیر ونفع ہے ان میں سے ہمیں

پورا حصہ دے۔

تیسرا سوال - کیا احکامِ شرعیہ پر عمل کرنے کے بعد ان کے منافعِ دنیویہ کا پیدا ہونا یقینی ہے؟ اس سوال پر اگر ذرا سا بھی غور کیا جائے تو معلوم ہو جائیگا کہ یہ دنیا عالمِ اسباب ہے۔ یہاں ہر کام کا ایک سبب اور ہر سبب کا ایک نتیجہ ہوتا ہے۔ کوئی نتیجہ جب ہی ظاہر ہوگا جب اس کے اسباب صحیحہ اور تدابیرِ واقعیہ جمع ہو جائیں گی اور کوئی سبب اور تدبیر ایسی نہیں جس کا کچھ نتیجہ اور ثمرہ نہ نکلے۔ (دستورِ کلیہ یہی ہے گو استثناء ہر قاعدہ کی طرح اس میں بھی ہے جس کی صحیح تعبیر مشیتِ الٰہی ہے۔ لیکن اس میں بھی اسّی فیصدی امور ایسے ملیں گے جن کے متعلق ایمان داری سے جائزہ لیا جائے تو یہی معلوم ہوگا کہ واقعی اختیارِ اسباب ہی میں اپنی کوتاہی تھی جو اس کا نتیجہ ہمارے موافق نہ نکلا)

کارخانۂ عالم کے امور میں غور کر کے اسباب و نتائج کا پتہ علوم فلسفہ و ریاضی نے لگایا۔ اور اسّی نوّے فیصدی امور کے متعلق پایا جاتا ہے کہ اسباب و نتیجہ کا قانون ہر جگہ کارفرما اور غیر متخلف ہے۔ واقعاتِ عالم کے متعلق فنِ تاریخ نے غور کر کے سمجھا کہ فلاں نتیجہ کا سبب فلاں واقعہ تھا اور فلاں واقعہ کا نتیجہ یہ نکلا اور اکثر اس فن کا حکم صحیح نکلتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح سمجھنا چاہیئے کہ یہ احکامِ شرعی (جو احکام اور دین تو اس حیثیت سے ہیں کہ ان سے خدا بندوں کا امتحان لینا چاہتا ہے اور بندے خدا کو راضی کرنا چاہتے ہیں) سب کے سب دراصل اسباب ہی ہیں بعض خاص منافع و مصالح دنیویہ و اخرویہ کے۔ لیکن ان کا عملِ دینی ہونا اور ان میں منافع ہونا حق تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ اپنے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا۔

پس جب سلسلۂ اسباب و نتیجہ ایک بدیہی چیز ہے تو پھر یہ کہنا کہ "کسی کام مثلاً

ترقی کی تدابیرِ صحیحہ اور قوانینِ خداوندی پر عمل پیرا ہونے کے بعد کیا فی الواقع نتائج موعودہ ومقررہ پیدا ہو جائیں گے؟" محض بھولے پن کا فریب ہے، حق تعالیٰ نہ ظالم ہیں اور نہ بخیل و عاجز اور نہ یہ سارا کارخانۂ عالم عبث و باطل پیدا کیا گیا ہے۔ صحیح اسباب کے اختیار کے بعد نتیجہ کا نہ ظاہر ہونا عموماً انھیں وجوہ سے ہو سکتا ہے کہ خدا نعوذ باللہ بخیل ہو، عاجز ہو، ظالم ہو، بے علم ہو۔ یا یہ کہ اس کائنات میں کوئی قاعدہ قانون کارفرما نہ ہو اور بے شعورانہ اور غیر مدبرانہ یہ سارا کارخانہ چل رہا ہو اور یہ سارے احتمالات باطل ہیں استغفر اللہ ہے۔

چوتھا سوال۔ کیا ان احکام پر ان کی منفعتیں عطا فرمانے میں حق تعالیٰ کا دستور مسلم و کافر جماعت و افراد کے ساتھ یکساں ہے یا مختلف؟

تاریخِ عالم شاہد ہے اور ہر شخص کا مشاہدہ ہے کہ دنیا میں مسلم اقوام و افراد بھی ترقی پذیر رہے ہیں اور کافر اقوام و افراد بھی۔ اگر ایک طرف حق تعالیٰ نے دنیا میں کافر افراد نمرود، شداد، فرعون، ابوجہل کو خوش حال اور بادشاہ بنایا اور عاد و ثمود، آرین، چینی، بابلی اقوام کو برسرِ ترقی بنایا تھا تو دوسری طرف مسلم افراد حضرت یوسفؑ، موسیٰؑ، ابراہیمؑ، سلیمانؑ، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی روئے زمین پر حکمرانی عطا فرمائی اور ہر پیغمبرؑ کی اقوام متبعین کو ہر قرن کے کفار کو سزا دینے کے بعد بام ترقی پر پہنچایا۔ مگر اب یہاں ہم کو دیکھنا یہ ہے کہ یہ ترقیاں اور کامیابیاں جو مسلم و کافر افراد و اقوام کو ملتی رہیں، ملتی ہیں اور ملتی رہیں گی آخر حق تعالیٰ کے یہاں اس کا اصول و دستور کیا ہے؟ اس کے لئے جہاں تک میں غور کر سکا ہوں دستور حسب ذیل ہے:۔

کافر افراد و جماعت۔ کافر افراد کو ترقیاں ملنے کا دستور یہ ہے:۔

۱۔ من کان یرید الحیاۃ الدنیا و زینتھا الآیہ (ترجمہ) جو کافر شخص اپنے اعمالِ

خیر سے موجودہ زندگی کا اور ٹھاٹھ کا خواستگار ہوگا تو ہم ایسے لوگوں کے اعمالِ خیر کا پورا پورا ثواب یہیں دنیا میں دیدیں گے اور ثواب و نفع میں ان کا ذرا بھی نقصان نہ ہوگا۔ مگر پھر ان کے لئے سوا جہنم کے اور کچھ نہیں (ہود)

۲۔ من کان یرید العاجلۃ۔ الآیہ (ترجمہ) جو کافر شخص فوری آسودگی کا خواہشمند ہوگا تو ہم جس کو جس کو اور جتنا جتنا چاہیں گے فوراً یہیں دیدیں گے (بنی اسرائیل)

ان آیات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ (الف) بعض کافر بھی اعمالِ خیر و حسنہ کرتے ہیں (ب) ان کے اعمالِ خیر کا ثواب اللہ تعالیٰ ضائع نہیں فرماتے بلکہ ان کا سارا نفع یہیں دنیا میں دیدیتے ہیں۔ (ج) یہ ثواب و نفعِ دنیا کا بخشنا اللہ کی مشیت پر موقوف ہے۔

پہلی آیت کی تفسیر میں مفسرین لکھتے ہیں کہ کفار کو ان کے اعمالِ حسنہ کا ثواب دنیا میں اسی وقت ملتا ہے جب ان اعمالِ خیر کے اثرات کا مجموعہ ان کے اعمالِ شر کے اثرات کے مجموعہ پر غالب ہوگا ورنہ نہیں۔ اور یہ چیز کہ کسی کے اعمالِ خیر کا پلّہ بھاری ہے یا اعمالِ شر کا سوا خدا کے کسی کو معلوم نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اعمال ظاہری بھی ہوتے ہیں جو اعضا سے ظہور میں آتے ہیں اور باطنی بھی ہوتے ہیں جو قلب سے سرزد ہوتے ہیں اس کا صحیح علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہو سکتا ہے) اور میرا خیال ہے کہ دوسری آیت میں اسی علم اعمالِ حسنہ ہی کو اللہ نے اپنی مشیت کے پردہ میں چھپایا اور تعبیر کیا ہے) غرض اس تقریر کا مطلب یہ نکلا کہ کفار کو ان کے ان اعمالِ خیر کا معاوضہ جو وہ بغیر ایمان کے کرتے ہیں عدلِ خداوندی اسی دنیا میں ضرور دیدیتا ہے۔

لیکن یہ بھی ظاہر ہے کہ اعمالِ خیر کچھ تو ایسے ہیں کہ ان کا دائرہ عمل محدود اور ذرا سی سعی

انفرادی ہوتی ہے مثلاً تواضع، خیرات، سچ بولنا، بے شرمیوں اور گندی باتوں سے بچنا۔ یہ اعمال چونکہ شخصی ہیں اس لئے ان کا دنیوی نفع بھی محدود اور لازم رہتا ہے۔ ایسے اعمالِ خیر کرنے والے کافر کو ذاتی اور انفرادی طور پر بہت سامال، بڑا عہدہ، کافی عزت، وسیع شہرت، کثیر اولاد، عالیشان محل گاڑی گھوڑے، نوکر چاکر وغیرہ ملجاتے ہیں اور بس۔ مگر اسی شرط کے ساتھ کہ اس کے اعمالِ خیر وحسنہ کا پلّہ علمِ الٰہی میں اس کے اعمالِ شر کے پلّہ سے بھاری ہو۔

لیکن کچھ اعمالِ خیر ایسے بھی ہوتے ہیں جن کو ہم کوششِ اجتماعی کہہ سکتے ہیں جن کا دائرۂ اثر عامۃ الناس تک پہنچتا ہے مثلاً قومی فنڈ، یتیم خانہ، دھرم شالہ، درسگاہ، ایک امیر کی اطاعت اور نظم، قومی ایثار، قومی رازوں کی حفاظت، ادنیٰ کے درد میں اعلیٰ کا بھی بیتاب ہوجانا وغیرہ۔ اگر کفّار ایسے اجتماعی کام کرینگے تو کیا آپ سمجھتے ہیں کہ "من عمل صالحاً فلنفسہ" اور "انی لا اضیع عمل عامل" کا عادل وعدہ کرنے والا ان اعمال کا اسی دنیا میں پورا پورا معاوضہ نہ دیدے گا؟ یقیناً دیگا اور ان اعمال کے نفعِ دنیوی بھی یقیناً ذاتی اعمالِ خیر کے نفعِ دنیوی سے جداگانہ ہوں گے۔ ان کو جو ثواب ملے گا وہ یہ ہوگا کہ ایسے کفار اجتماعی اور قومی طور پر خوشحال، باقوت، پر رعب، اقبالمند، متحد، ہم خیال، برسرِ حکومت، ترقی یافتہ ہوں گے۔ مگر اسی شرط کے ساتھ کہ ان کے ایسے اجتماعی اعمالِ حسنہ کا پلّہ علمِ الٰہی میں ان کے اعمالِ شر کے پلّہ سے بھاری ہو!!

کفار افراد و اقوام کو ترقی دنیوی ملنے کا دستور یہی ہے اور آخرت میں تو انکا محروم النجاۃ والترقی ہونا یقینی ہے!! اسی دستور کو حضرت موسیٰ علیٰ ابنینا وعلیہ

Scanned with CamScanner

الصلوٰۃ والسلام نے فرعون کی حکومت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بیان فرمایا تھا
کہ "ان الارض للّٰہ الآیہ" یعنی "زمین اللہ تعالیٰ کی ہے جسے چاہے دیدے۔
رہی عاقبت کی ترقی تو وہ صرف مسلمانوں متقیوں کیلئے ہے۔" اور میرا خیال ہے کہ
اس آیت میں حضرت موسیٰؑ نے جس چیز کا مشیتِ ایزدی کے ماتحت ہونا بیان فرمایا ہے
غالباً وہ یہی دستور ہے کہ اعمالِ خیر قومی و اجتماعی قسم کے جب کہیں پائے جائیں گے
خواہ اللہ کے کافر بندوں ہی میں سہی تو اللہ زمین کی وراثت انھیں کو دیدیتا ہے۔
(یہ بیان اعمالِ خیر کے عوض میں نفعِ دنیوی ملنے کا تھا ورنہ کبھی کفار کو استدراج اور
اور فتنہ کے طور پر یا حرام صورتوں میں بھی بہت کچھ ملتا ہے۔ اس کا یہاں ذکر نہیں)

مسلم افراد و جماعت مسلمانوں کے لئے فرمایا کہ "وعد اللّٰہ الذین آمنوا
وعملوا الصالحاتِ منکم لیستخلفنھم فی الارض" یعنی اللہ تعالیٰ کا وعدہ حتمی ہے کہ تم میں
جو لوگ ایمانِ کامل لائیں گے اور اس کے ساتھ اعمالِ صالحہ و حسنہ بھی اختیار کرینگے
تو اللہ ان کو یقیناً ضرور ہی زمین میں جانشینی و خلافت عطا فرمائیگا جس طرح
ان سے قبل بھی ایسے لوگوں کو حکومت عطا فرما چکا ہے۔"

آیتِ بالا مسلم جماعت کیلئے دستورِ خداوندی صاف بتا رہی ہے کہ محض ایمان
اور شخصی خوبیاں حکومت ملنے کیلئے کافی نہیں بلکہ الصالحات یعنی اعمال صالحہ کی وہ تمام
چیزیں جنھیں خدا کے رسول نے ضروری بتایا ہے جن میں قومی و اجتماعی اعمالِ خیر بھی بکثرت
ہیں اجتماعی طور پر اختیار کرنے سے حکومتِ ارضی ملا کرتی ہے۔

رہا مسلم افراد کیلئے تو استغفار وغیرہ پر مال کی فراوانی کی آیات اوپر گزر چکی ہیں۔
لیکن یہاں ایک بڑا قوی شبہہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ اکثر مسلم

وکافر نیک اعمال بھی کرتے ہیں پھر بھی وہ ترقیاتِ دنیا سے محروم ہیں۔ اس کے جواب میں غالباً یہ تصریحات کافی وشافی ہوں گی۔

۱۔ قرآن میں ہے "ولولا ان یکون الناس امۃ واحدۃ لجعلنا الآیہ۔ یعنی اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ تمام انسان ایک ہی طریقہ، کفر پہ آپڑیں گے تو ہم تو خدائے رحمان سے کفر کرنے والوں کے گھر کی چھتیں، ان کے چڑھنے کی سیڑھیاں، ان کے گھر کے دروازے ان کے لیٹنے کے پلنگ وغیرہ سونے چاندی کے کر دیتے۔

۲۔ حدیث میں ہے۔ "اذا احب اللہ عبداً حماہ الدنیا کما یظل احدکم یحمی سقیمہ الماء (ترمذی) ترجمہ:۔ اللہ جب کسی مسلم بندے کو اپنا محبوب بناتا ہے تو اس کو دنیا (کے مال) سے اس طرح بچائے رکھتا ہے جس طرح تم میں سے ہر ایک اپنے محبوب بیمار کو پانی سے پرہیز کراتا ہے۔" آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی رعایت کر کے کافروں کو زیادہ نہیں دیا ورنہ چونکہ اللہ کے نزدیک دنیا کی قدر مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں اس لئے کفار کو تو لا محدود دولت دیدیتے۔

اور حدیث صاف بتاتی ہے کہ اکثر مسلمانوں کو دنیا کا مال اللہ تعالیٰ شفقت سے اس لئے نہیں عطا فرماتے کہ اس سے اس کی ایمانی اور دینی صحت کا تباہ ہونا یقینی ہے۔ غرض افراد کے بارے میں تو اعمالِ خیر اور ان کے نتائج ملنے میں تخلف و توقف ہوسکتا ہے اور اس کے وجوہ مذکورہ بالا مصلحتیں اور رعایتیں اور شفقتیں ہیں لیکن اجتماعی وقومی ومتحدہ کوششوں اور عملوں کے نتائج ملنے میں میرا خیال ہے کہ کبھی توقف وتخلف نہیں ہوتا۔ اجتماعی وقومی کوششوں کے نتائج مسلم و کافر دونوں جماعتوں کو ملتے ہیں اور یقیناً ملتے ہیں۔ اس میں اللہ کی مشیت ہی یہ ہے

کہ خیر و صلاح زیادہ سے زیادہ پھیلے۔ چونکہ عامۃ الناس کی بہبود اور مخلوق کی اصلاح اس سے وابستہ ہوتی ہے اس لئے بلا تخلف رحمت حق ہر ایسی اجتماعی کوشش کی طرف متوجہ ہوتی اور برکاتِ دنیا کی بارش کرنے لگتی ہے۔ مگر عاقبت کی ترقی صرف متقیوں کے لئے ہے!

دفع دخل کے طور پر یہاں پھر عرض کر دوں کہ ابتدائی سطور میں حضراتِ علما کا جو تذکرہ ہے وہ حاش للّٰہ ان پر اعتراض یا نعوذ باللّٰہ ان کے استخفاف کیلئے نہیں بلکہ فرقِ باہمی کے تذکرہ کے طور پر ذکر آگیا ہے۔ البتہ اب درخواست یہ ضرور ہے کہ اگر اصولاً میرا نظریہ صحیح معلوم ہو تو اس دور کی ضرورت کے پیشِ نظر اسی نظریہ سے کام لیں کیا عجب ہے کہ ملّت میں کوئی بہتر تبدیلی اس سے ظاہر ہو۔ وما ذالک علی اللّٰہ بعزیز۔ حضرات علماء کرام سے درخواست ہے کہ جہاں سہو و لغزش پائیں کرم و عفو سے کام لیکر احقر کو اطلاع دیدیں تاکہ اس کی اصلاح آیندہ ہو سکے۔

ھٰذا ما عندی فما اصبت فیہ فمن اللّٰہ وما اخطأت فیہ فمن نفسی وما ابرئ نفسی۔ وفوق کل ذی علمٍ علیم۔

سراج الحق

Scanned with CamScanner

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ (محاسنِ اسلام)

اللہ تعالیٰ ہمارا خالق اور ہم پر ماں باپ سے زیادہ شفیق ہے۔ وہی ہماری جسمانی اور روحانی ضرورتوں کو ہم سے بہتر جانتا ہے۔ اس کا سب سے بڑا احسان ہم پر یہ ہے کہ اس نے ہم انسانوں کو اپنی ساری کائنات پر اپنا خلیفہ بنایا اور ہماری بہبود، اصلاح اور ترقی کے اصول و قوانین خود ہی بنا دیئے۔ اس کام کو اس نے کسی دوسرے کے ذمہ نہیں رکھا۔

پھر ان قوانینِ زندگی کو ہم تک پہنچانے کیلئے حضرت سرورِ عالم رحمتِ مجسم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے شفیق اور بہی خواہ کو منتخب فرمایا۔ جنھوں نے نہ صرف زبانی ہم کو وہ قوانین بتائے بلکہ ان کو خود برت کر اور اپنے سامنے ایک لاکھ چوبیس ہزار مقدس نفوس سے برتوا کر اور ہر قسم کی ترقی تک پہنچا کر دکھلا بھی دیا۔ اے اللہ! ہمارے پاس کیا ہے جس کو دیکر ہم تیرے احسانات کے شکریے عہدہ برآ ہو سکیں یا اس پاک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات کا حق ادا کر سکیں سوا اس کے کہ ہم تیرے ہی حضور تیرے احسانات کے شکر سے عاجزی کا اعتراف کریں اور پھر تجھی سے درخواست کریں کہ تو ہماری طرف سے بہترین جزائیں، بہترین رحمتیں اور بہترین برکتیں عطا کر اور ہمارے بہترین سلام پہنچا اُس پاک اور شفیق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اور ان کے تمام برگزیدہ ساتھیوں کو آمین!

انسان اور انبیاؑ کا صحیح تعارف

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو تمام مخلوقات (ملائکہ، جن، حیوانات، آسمان، زمین، چاند، سورج، پہاڑ، دریا) سے اشرف اور ممتاز بنایا ہے کیونکہ اُسے اپنا خلیفہ اور نائب بنانا تھا اور اسی لئے آغازِ آفرینش میں ایک سکنڈ کیلئے بھی اس پر وحشت و جہالت کا زمانہ گزرنے نہیں دیا۔ ایسا نہیں ہوا کہ انسان پہلے علم و تہذیب کی روشنی سے محروم اور جہالت و وحشت کی تاریکیوں میں مارا مارا پھرتا رہا ہو پھر اس پر رفتہ رفتہ علم کی صبح نمودار ہونے لگی ہو۔

اہلِ یورپ کہتے ہیں کہ "انسان اپنی آغازِ آفرینش میں کیڑا، مینڈک یا بندر تھا۔ پھر ترقی کر کے انسان بنا۔ اسی طرح انسان آغازِ تہذیب میں ننگا ننگا گھومتا تھا، پھل پتے کھاتا تھا۔ درختوں کے نیچے یا غاروں کے اندر رہتا تھا۔ اس کے بعد قرنہا قرن میں کہیں جا کر باعلم، باحیا اور باتہذیب بنا"۔

یہ نظریۂ ارتقا آج یورپ کا مایۂ ناز نظریہ اور ایک معرکۃ الآرا مسئلہ بنا ہوا ہے اور انھوں نے اور ان کے ہم خیال لوگوں نے اس نادر اکتشاف کے بل پر اہلِ مذہب کی تحقیر کے ساتھ ان کو تحدّی بھی کر دی ہے۔ لیکن ادنیٰ تامل سے نفسیاتی طور پر اس نظریہ کا غلط اور مضرِ انسانیت ہونا معلوم ہو جاتا ہے جب انسان کو یہ باور کرا دیا جائے کہ وہ اپنی اصل میں ان ذلیل حیوانات کا ہم جنس ہے، اور بس۔ تو پھر کیوں وہ اپنے کو ان ذلیل حیوانات کے مقابلہ میں برتر سمجھے گا اور کیوں وہ اخلاق و سیرت کی پاکیزگی انسانی مطمحِ نظر کی رفعت کا تخیل و تصور کر سکے گا؟ پھر تو وہ ذلیل حیوانیت ہی کو اپنا منتہا سمجھے گا۔

اگر اہلِ یورپ پیدائش اور تہذیب کے متعلق یہ خیال ظاہر کرتے کہ "ہر انسان

شکمِ مادر میں انسانی صورت پانے سے قبل کیڑے، مینڈک یا بندر کی صورتوں سے ملتی جلتی شکلوں سے گزرا کرتا ہے، پھر انسانی صورت پاتا ہے تو ایک حد تک صحیح بھی مانا جا سکتا تھا کہ خود قرآن میں ہے کہ اللہ نے تم کو کئی طور (ڈھنگ) سے پیدا کیا ہے چنانچہ سات طور بیان بھی فرما دیئے ہیں سلالہ، نطفہ، علقہ، مضغہ، عظام، لحم، خلقِ آخر۔ لیکن یہ کہنا کہ پہلے انسان علیہ السلام پر بھی ان کی آغازِ پیدائش میں یہ سب اطوار اور ادوار گزرے ہیں۔ اور بالعموم اس نظریہ کا یہی مطلب مانا جاتا ہے تو یاد رہے کہ یہ نظریہ ایک مسلمان کیلئے ہرگز قابلِ قبول نہیں کیونکہ اس قیاسِ انسانی کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشادِ صریح یہ ہے اور بار بار نہایت شد و مد کے ساتھ قرآن میں (شاید اسی قیاس کے دفعیہ کیلئے) آیا ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے پہلے انسان کو نہایت اہتمام اور خاص طریقے سے کھنکھناتی ہوئی سوکھی مٹی سے پیدا کیا"۔

اسی طرح انسانی تہذیب کے سلسلہ میں اگر اہلِ یورپ کا اس نظریۂ ارتقاء سے یہ مطلب ہوتا کہ "ہر بچہ ماں کے پیٹ سے پڑھ کر نہیں آتا بلکہ پیدا ہونے کے بعد سیکھنے سے وہ علم و تہذیب کا حامل بنتا ہے" تو یہ بھی تسلیم کیا جا سکتا تھا مگر یہ کہنا کہ نعوذ باللہ "نوعِ انسانی کا پہلا فرد دنیا میں آنے کے بعد بالکل بے علم، جاہل اور وحشی تھا۔ ننگا گھومتا تھا وغیرہ وغیرہ۔ تو یاد رہے کہ مسلمان از روئے مذہب اس کے رد کر دینے اور نہ ماننے پر مجبور ہے۔ اور ایک مسلمان ہی کیا تمام آسمانی صحیفے والی قومیں اس کے نہ ماننے پر مجبور ہیں۔ کیونکہ تمام صحیفوں میں درج ہے کہ پہلا انسان پیغمبر تھا جو اللہ کے احکام کا پیغام دنیا (اپنی اولاد) کے پاس

لایا۔ ہمارے پیغمبرِ آخر علیہ السلام نے تو انسانِ اوّل علیہ السلام کی تہذیب و علم کا حال یہاں تک بتایا ہے کہ "تمہارے باپ آدمؑ نے بحکم خدا زراعت بھی کی کپڑا بھی بُنا، اور پہنا، خود بھی خدا کی پرستش کی اور دوسروں کو بھی سکھائی۔" پہلے انسان علیہ السلام کے حیا کا حال خود قرآن میں یہ ہے کہ جب انھوں نے محسوس کیا کہ ان کے جسم سے جنت کا لباس اتر چکا تو باوجودیکہ سوا بیوی کے دوسرا انسان نہ تھا، مگر شرم کے مارے بدن کو چھپانے اور پتوں سے ڈھانکنے لگے۔ پس جب انسان کو یہ باور کرایا جائیگا کہ وہ مینڈک اور بندر سے الگ اپنی اصل فطرت ہی میں ایک بالکل جداگانہ اور ممتاز مخلوق ہے تو پھر وہ نفسیاتی طور پر زندگی کے ہر حرکت و سکون میں مجبور ہوگا کہ اپنے کو ان سے ممتاز اور برتر بنائے رکھے۔

پس یاد رکھنا چاہیئے کہ پہلے انسانؑ کے علم اور تہذیب سے عاری ہونیکا تصور و تخیل دراصل ان گمراہ دماغوں کی پیداوار ہے جن کو وحیِ الٰہی کی روشنی نہیں ملی ادھر ان کو وحیِ الٰہی سے محرومی رہی ادھر تاریخ تہیدست نظر آئی۔ ادھر آسمانی صحیفے تحریف کا شکار تھے ہی، ان تو بر تو اندھیریوں میں انھوں نے ظنیات و قیاسات بلکہ اوہام کا ایک مجموعہ تیار کر لیا اور اس کا نام "تحقیق اور انکشاف" وغیرہ رکھا۔

یہ ضرور صحیح ہے کہ دنیا کی سب سے پہلی قوم یعنی امتِ آدم کی شریعت، ان کے قوانین بہت کم اور سادہ تھے۔ بعد میں نوعِ انسانی کو آہستہ آہستہ احکام و تعلیمات زیادہ دیئے جانے لگے۔ اس طرح گویا دہ بعد کی اقوام و امم

Scanned with CamScanner

کے مقابلہ میں بہت کم علم (یا مجازاً اکثر امور سے ناواقف اور جاہل) تھے۔ پھر یہ بھی ہو کہ تاریخِ عالم میں کئی بار اور زمین کے اکثر حصّوں پر اکثر قومیں اور ملتیں اپنے انبیا و معلّمین کی پاکیزہ اور خدائی تعلیم کو اپنی شرارتوں اور نفس پرستیوں سے فراموش اور نظر انداز کر بیٹھیں اور اس کی لازمی سزا یعنی وحشت، بربریت، جہالت، بیحیائی پستی و ذلت کی وادیوں میں سرگشتہ ہوتی رہیں جنکی تعداد اور دیگر احوال خدا کے سوا اور کوئی نہیں جانتا اس لئے کتنی ہی بار دنیا کی قومیں وحشی، بیحیا، جاہل اور جانور بن بن گئیں۔ پھر جب دوسرا نبی و معلّم آیا تو اس کی تعلیم سے انھیں وحشت و جہالت کے خطّوں میں از سرِ نو علم و تہذیب کی روشنی پھیلی۔ اس طرح برابر ہی انسانوں پر پہلے علم و تہذیب کے بعد جہل و وحشت کے اور پہلی روشنی کے بعد تاریکی کے دَور گزرتے رہے۔ آج کا مورّخ لکھتا ہے کہ "انسان پہلے وحشی تھا رفتہ رفتہ مہذب بنا" گویا وہ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ تاریخ کی رسائی سب سے پہلے انسانوں تک بھی ہو سکی ہے! حالانکہ یہ غلط ہے تاریخِ غیب کا تو آخری ماخذ و منبع آسمانی صحیفہ ہی ہوا کرتا ہے۔ اور جب سب سے پہلے انسان اور پیغمبر کا صحیفہ اور اس کے بعد مسلسل کئی صدی تک کے ہر خطّہ کے نبی کا کوئی صحیفہ محفوظ نہیں تو تاریخ کے پلّے سوا قیاس کے اور کیا رہ جاتا ہے مورّخ نے (آغازِ عالم کی نہیں) کسی بیچ کی تباہ کار قوم کا حال سن پایا ہو گا تو اس نے اس درمیانی کسی قوم کی قومی پستی و وحشت اور عذابِ خدا میں مبتلا ہونے کو نوعِ انسانی کی پستی اور سب سے پہلے انسان کی پستی بھی سمجھ لیا۔

غرض مسلمان کا (نیز یہود و نصاریٰ کا) تو اس پر ایمان لانا اور یقین رکھنا

فرض (اور اس کے خلاف کا اعتقاد کفر اور انسانیت کی توہین) ہے کہ پہلا انسان
باعلم، باحیا و باتہذیب تھا۔ چونکہ انسان اپنے فائدے کے اس طریقہ کو جس پر خدا
اُسے چلانا چاہتا ہے از خود نہیں سوچ سکتا تھا جس طرح دہریے آج تک نہیں سوچ سکے
اس لیئے اللہ نے پہلے ہی انسان علیہ السلام کو علم و تہذیب سے آراستہ کر دیا اور ان کو
اسوقت کی زندگی، تہذیب و شائستگی سے گزارنے کیلئے ضروری قانون بنا دیئے
کہ تم خود بھی اس پر چلو اور اپنی اولاد کو بھی اسی پر چلاؤ۔ خدائی قوانین کے مجموعہ کا
یہ تھوڑا سا حصہ تھا جو آدمؑ کے ذریعہ دنیا کو بھیجا گیا۔ اس کے بعد انسان جہاں
جہاں بسے اور خدا کی مرضی کے خلاف چلے۔ برابر اللہ تعالیٰ معلّم وہادی بھیجتا رہا
کہ انسانوں کو خدا کے قوانین حسبِ ضرورت بتائیں جن سے ان کی زندگی بہتر اور
جانوروں سے ممتاز تر بنے وہ اپنے منصبِ خلیفۃ اللہ کو نہ بھولیں اور اس منصب سے
گری ہوئی باتوں میں نہ پھنسیں۔ ایسے پیغمبر ایک لاکھ (یا دو لاکھ) چوبیس ہزار
ہو گزرے ہیں جن میں بہت خاص خاص یہ ہیں :- حضرت آدمؑ، حضرت نوحؑ،
حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمد علیہم السلام۔

انسان کو سمجھنے کے بعد نبیوں کا اور خاص کر ہمارے نبی افضل المرسلین
خاتم الانبیا احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی صحیح تصور ذہن میں قائم کرو۔
عام تصور تو کچھ اس قسم کا ہے کہ نبی و رسول گویا ایک آسمانی تبرک، ایک خدائی معجزہ،
ایک گوشہ نشین زاہد، ایک عابد مرتاض انسان ہوتے ہیں جن کو مسجد و عبادت خانہ،
تسبیح و وظیفہ، مراقبہ، تلاوتِ صحیفہ، تعویذات و معجزات سے تو ضرور تعلق ہے مگر ترقی
و تہذیب، دنیوی کاروبار، تجارت و سیاست، صحتِ جسمانی و انتظامِ ملک وغیرہ سے

Scanned with CamScanner

کچھ تعلق نہیں مگر یاد رکھو کہ ہر نبی اور خاص کر ہمارے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم تاریخ عالم کے سب سے بڑے عاقل، ترقی یافتہ ترقی کے معلم، سب سے بہتر مقنن، سب سے بڑھ کر خیر خواہِ خلائق، سب سے زیادہ حسین، سب سے زیادہ قوی الجسم قوی القلب بڑے شجاع تھے اور سب کچھ بیک وقت تھے۔ ان نفوسِ قدسیہ نے زندگی کے تمام حالات کو اپنے عمل سے دین بنا دیا۔ یہ سب صفات ضمن اور طفیل میں تھیں منصبِ نبوت کے۔ نبوت در اصل ایک مختصر لفظ ہے انسانی تمام خوبیوں کے مجموعہ کیلئے۔ یہ اسلام کی ایک اصطلاح ہے جو دنیا کی تمام خوبیوں اور خوبیوں کے تمام پہلوؤں اور تمام گوشوں کا پورا پورا لحاظ رکھ کر اللہ نے تجویز فرمائی ہے۔ آج ہماری عقلیت پسندی کسی نبی یا رسول کیلئے چند نئے الفاظ مثلاً مصلح، فلسفی، سلطان، مقنن اور مقوم و مفکر تجویز کرتی ہے یا ایسے عنوانات سوچتی ہے کہ "رسول بحیثیت ایک فلسفی کے" "رسول بحیثیت ایک قومیت ساز کے" "رسول بحیثیت ایک سلطان کے" وغیرہ وغیرہ۔ اور ہم یہ سب کہہ کر خوش بھی ہوتے ہیں گویا بڑی بات کہہ گئے۔ مگر یہ ہماری نادانی ہے۔ رسول ہونے کے بعد سپہ سالاری یا فلسفی وغیرہ ہونے کی جداگانہ خوبیاں اور حیثیتیں رہ ہی نہیں جاتیں۔ ان مجسم حسن اور سر تا پا خوبیوں والی ذاتوں کیلئے اور خاص کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ہمارے ان الفاظ کے پیراہن بہت ہی کوتاہ ہیں ہمارے یہ الفاظ ان بزرگوں کی خوبیوں کے صرف ایک ہی ایک گوشہ کو تو اجاگر کرتے ہیں مگر ان کی بقیہ بیشمار خوبیاں عصمتِ ظاہری و باطنی، بے لوث ہمدردیِ خلائق، اعلیٰ عبدیت، صرف خدا کی شاگردی ہر تعلیم میں دقیق ترین نفسیاتی پہلو کی بھی رعایت ان کی جامعیت و ہمہ گیری وغیرہ۔ تو ان امور کی طرف ہماری ان اصطلاحات اور ان الفاظ کی کوئی ایک کرن بھی تو نہیں پہنچ پاتی۔ اسلام کی زبان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا ہر نبی صرف نبی اور

رسول ہیں اور بس۔ یہ نبی اور رسول ایک ایسا جامع لفظ ہے کہ رسولوں کی سیرت مبارکہ کے تمام گوشوں پر بیک وقت پوری چھوٹ پڑ جاتی ہے۔ بس ایسے مکمل انسانوں کو اللہ تعالیٰ منتخب کرتا ہے کہ اس کے قوانین بندوں تک پہنچائیں۔ تاریخ عالم میں اس طرح کے سوا لاکھ مقدس نفوس مختلف زمانوں میں مختلف قوموں کو وہی خدائی قوانین سکھاتے آئے ہیں جن کا نام اسلام ہے۔

فصل ۲ اقوامِ عالم، شرائع ونسخ اور بعثتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم

یہاں بہت اختصار سے اقوامِ عالم، مختلف شریعتوں اور ان کے نسخ اور بعثتِ محمدیہ کے متعلق چند مفید اور کارآمد باتیں سمجھ لینی چاہئیں:-

۱۔ مشکوٰۃ میں ایک حدیث ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ "دنیا میں اب سے قبل ۶۹ قومیں (بڑی بڑی اور اصل نہ کہ شاخیں) ہو گزری ہیں اب تم آکر قوموں کی تعداد ۷۰ پوری کرتے ہو"۔ ان تمام اقوامِ عالم کے نام ان کے زمانوں کی تعیین، ان کی ترتیب، انکی خصوصیاتِ قومی وغیرہ کو تو (حسبِ ارشادِ قرآنی) صرف خدا ہی جانتا ہے۔ مگر بعض مشہور اقوام کے نام مذہبی صحیفوں اور تاریخ و سیر کی کتابوں میں آجتک محفوظ ہیں جیسے قوم نوح، عاد قومِ ہودؑ، ثمود قوم صالح، مدین، بنو اسرائیل، یہود، سبا، آریہ یا ایرانی، قبط، نبط، بابلی، نصاریٰ، ہندو۔ یہ تمام قومیں اگرچہ اپنے اپنے ملک یا نبی وغیرہ کے نام سے منسوب ہوئیں۔ مگر ان تمام قوموں کو ان کے نبیوں نے قوانینِ خداوندی یعنی اسلام ہی سکھایا۔ پس یہ سمجھنا کہ اسلام صرف آنحضرتؐ سے پھیلا اور مسلمان صرف ۱۴۰۰ برس ہی سے ہیں غلط ہے۔ اسلام حضرت آدمؑ ہی سے پھیلنا شروع ہو گیا تھا۔ اور ہر نبی اور اس کے پیرو مسلمان ہی تھے۔ البتہ ان تمام قوموں کو ایک دوسرے سے ممتاز

Scanned with CamScanner

رکھنے کیلئے، قرآن نے ان کے ملک یا نبی سے منسوب کرکے قومِ نوح، قومِ عاد، اصحابِ مدین وغیرہ کہا اس لئے اس آخری امت کا صحیح نام مسلمان نہیں قومِ محمدؐ، امتِ محمدی یا ملتِ عربی ہونا چاہئے تھا۔ مگر یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ بعثتِ محمدی سے قبل چونکہ ہر نبی اپنی قوم اور خطۂ زمین کیلئے مخصوص اور محدود ہوتا تھا اس لئے قوم اور قومیت کا مفہوم بھی ہر جگہ ہر زبان میں محدود اور وطنیت کا مرادف ہی سمجھا جاتا رہا۔ اب چونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جملہ صحیفوں کے جامع اور ہر خطے اور ہر زمانے کیلئے نبی بناکر بھیجے گئے ہیں اس لئے دنیا نے پہلے پہل قوم اور قومیت کا یہ مفہوم کہ "وہ رنگ، نسل، خون اور وطن سے نہیں بلکہ ہم خیالی اور ہم مذہب ہو جانے سے بنتی ہے"، صرف آنحضرتؐ کی زبان سے سنا۔ یورپ والے یا ہند والے آج اگر قوم اور قومیت بول کر ایک وطن اور ملک کے محصور اور محدود افراد کو مراد لیتے اور سمجھا چاہتے ہیں تو دراصل وہ معذور ہیں۔ ہزارہا برس سے ان کی قوم اور ملک کی روایات میں بلکہ خود مذہبی صحیفوں میں قوم اور قومیت کا یہی محدود تصوّر بیان ہوتا چلا آیا ہے، اس لئے آج قوم کو "ہم خیال" کا مرادف نہ وہ سمجھ سکتے ہیں اور نہ ماننے کو تیار ہیں۔ چونکہ مشیتِ حق ہی یہ تھی کہ آنحضرتؐ اس وقت نبی اور رسول بنیں جب ذرائعِ حمل و نقل، وسائلِ رسل و رسائل اور وسائطِ سفر و حضر سے تمام دنیا والے ایک دوسرے سے بہت ہی قریب آجائیں اور گویا ایک ہی بستی کے باشندے بن جائیں۔ اس لئے قوم، قومیت، برادری اور اخوت وغیرہ کا قدیم محدود تصور مٹا کر "ہم خیالی اور ہم مذہبی" کی بنیاد پر ایک عالمگیر قومیت کا تخیل پیش کیا گیا۔ اب جو بھی قومِ محمدؐ کے طریقہ پر چلے گا گو وہ کسی ملک اور نسل کا ہو وہ اسی عالمگیر قومیت میں داخل اور نسل و

وطن کی قومیت سے بالاتر اور تمامی انبیاؑ کے دین (اسلام) کا پیرو یعنی مسلمان کہلائیگا۔

یہیں سے یہ بات بھی سمجھ میں آگئی ہو گی کہ چونکہ آنحضرتؐ کو تمام ہی انبیا کی شریعتوں کا مجموعہ یکجا دیا گیا ہے۔ یعنی آپ کی ذات کو جس طرح خاتم الانبیا بنایا گیا۔ اسی طرح آپ کی تعلیم اور شریعت کو جامع الشرائع اور جامع التعالیم بھی بنایا گیا۔ اس لئے تبلیغ یعنی غیروں کو اپنے تخیل اور مذہب کی طرف دعوت دینا یہ صرف قومِ محمدؐ ہی کی خصوصیات سے ہے۔ ورنہ آپ کی بعثت کے قبل کا کوئی مذہب کوئی دین اور کوئی شریعت تبلیغی نہ تھی کیونکہ ہر نبی اور اس کی کتاب شریعت صرف اسی کی برادری اور قوم، وطن اور ملک کیلئے محدود و مخصوص تھی۔ پس دعوت و تبلیغ کا سوال ہی کیونکر پیدا ہو سکتا تھا کسی قوم کو دعوت اور تبلیغ کا عقلی یا شرعی حق ہی نہ تھا۔ البتہ قومِ محمدؐ یا ملتِ عربی کو عقلی اور شرعی حق ہے اور بجا ہے کہ وہ دوسروں تک اپنے پیغمبرؐ کی تعلیم پہنچائیں اور ان کو اپنے مسلک پر لائیں۔ چونکہ آپ کی تعلیم جامع التعالیم ہے۔ اس لئے جب کسی قوم اور ملک کے لوگ اتباعِ محمدؐ اختیار کرلیں گے تو وہ امتِ محمدیؐ میں ہونے کے شرف کے ساتھ ساتھ اپنے قدیم پیغمبر اور اپنی صحیح مذہبی تعلیم پر چلنے اور اس کو ماننے کا شرف بھی حاصل کر ہی لیں گے۔ اب غور کیجئے اور دل کھول کر حیرت اور حسرت کیجئے کہ آج ہندو اور عیسائی (جن کا پرانا مذہب ان کے وطن اور قوم کیلئے محدود بنا کر بھیجا گیا تھا) تو دوسروں کو دعوت اور تبلیغ کرنا شروع کریں اور اس کو اپنا جائز حق بھی سمجھیں۔ یا کمیونسٹ، فاسسٹ اور نازی وغیرہ نئی جماعتیں تو اپنے مخصوص نظریوں کی تبلیغ کرتی پھریں اور ہم پیروانِ محمدؐ تبلیغ سے غافل اور نا آشنا رہیں حالانکہ دوسری قوم کا تبلیغ کرنا غلط ہے اور ہمارا تبلیغ کرنا صحیح ہے۔ بلکہ دوسروں کا

Scanned with CamScanner

تبلیغ اختیار کرنا خود ہماری نقل ہے۔

۲۔ دینِ اسلام اگرچہ پانچ باتوں کے مجموعہ کو کہتے ہیں:۔ عقائد، اخلاق، رسوم تو دیانات، معاملات اور معاشرات۔ لیکن کبھی کبھی صرف دو چیزوں عقائد اور اخلاق کو دین اور بقیہ تین چیزوں دیانات، معاملات، معاشرات کو شریعت کہتے ہیں۔ شریعتوں کا مجمل خاکہ یہ ہے کہ حضرت آدمؑ سے لیکر حضرت نوحؑ تک (عقائد اور اخلاق کی تعلیم کے ساتھ ساتھ) دیانات میں خدا کی حمد (کسی طریقہ سے) اور معاشرت میں تمدن کے سادہ مگر ضروری احکام مثل زراعت، نکاح، سلام و حیاکت وغیرہ تھے لیکن اس میں جہاد کا حکم تھا اور حلال و حرام اور کفر و شرک کے دقیق احکام اور مسائل نہ تھے۔ حضرت نوحؑ سے حضرت موسیٰؑ تک یہ ہوا کہ سابق شریعتوں میں حلال و حرام کفر و شرک کے احکام تو ضرور اضافہ ہوئے مگر جہاد کے مسائل و احکام پھر بھی نہ تھے۔ پھر حضرت موسیٰؑ پر اور ان کے بعد سے حضرت محمدؐ تک تمام سابق احکام کے ساتھ جہاد کا بھی اضافہ ہوا اور حضرت محمدؐ کی تعلیم میں ان سب کے ساتھ تبلیغ اور غنیمت وغیرہ کے احکام کا اور بھی اضافہ ہو کر دین کی پوری تکمیل ہوئی۔ پس یہ صورت نہ تھی کہ آنحضرتؐ کی تعلیمات سے اسلام یعنی قوانینِ خداوندی کی مذکورہ بالا پانچوں قسمیں پہلے پہل دنیا کو معلوم ہوئی ہوں؟ نہیں یہ چیزیں پہلے بھی تھیں مگر حق تعالیٰ مختلف مصلحتوں سے (مثلاً اپنی حکمت دکھانے اور حکومت جتانے کیلئے۔ ذہنی، جسمانی اور اخلاقی غرض ہر خصوصیت کی تربیت فرمانے کیلئے۔ ہر قوم کا امتحان ایمان کرنے کیلئے) ہر ملک کی آب و ہوا اور حیوانی اور نباتی پیداوار کی پوری رعایت رکھ کر صرف شریعتوں میں کبھی کچھ امور حذف کرتے رہتے تھے۔ کبھی کچھ اضافہ فرما دیتے

کبھی ایک کے بدلے دوسرا حکم دیدیتے کبھی سابق حکم میں قید اور تفصیل وغیرہ کی ترمیم کر دیتے اور اسی کا نام نسخ ہے۔ مگر یاد رہے کہ نسخ صرف شریعتوں میں ہوا کرتا تھا یعنی صرف دیانات، معاملات اور معاشرات کے احکام و مسائل کا نسخ ہوتا رہا ورنہ عقائد و اخلاق میں کبھی کوئی تبدیل و ترمیم یا حذف و اضافہ نہیں ہوا۔ قوانین خداوندی کی یہ دو قسمیں بالکل بنیادی اور ناقابلِ تبدیل رہی ہیں ان دو امور سے متعلق جتنی باتیں آج تعلیماتِ محمدیہؐ میں ہیں یہ ہمیشہ ہر امت میں مامور و معمول رہی ہیں۔ اللہ پر، وقت کے رسول پر نیز آخری رسول پر، فرشتوں پر، کتبِ آسمانی پر، تقدیر پر، قیامت پر، دوزخ اور اس کی سزا پر، جنت اور اس کی انعامی جزا وغیرہ پر ایمان لانا ہمیشہ اسی طرح فرض رہا جیسا آج ہے۔ تواضع، عدل، احسان، صدق، امانت، وفا، رحم و کرم وغیرہ کا مستحسن ہونا اور کبر، ظلم، کذب، خیانت، غدر وغیرہ کا قبیح ہونا جس طرح تعلیم محمدیؐ سے دنیا کو معلوم ہوا اسی طرح ہر نبی کی تعلیمات سے معلوم ہوتا رہا۔ یہ اقدارِ حیات کبھی نہیں بدلے۔ رہیں بقیہ تینوں چیزیں تو ان میں حذف و اضافہ، قید و تفصیل، ترمیم و تبدیل کا نسخ ہوتا رہا۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام سے نماز فجر، قربانی (ہابیل و قابیل کے واقعہ کے سلسلے میں) کعبہ کی تعمیر (برائے اعتکاف و نماز وغیرہ) نکاح، سلام لاش کو دفن کرنا وغیرہ کا ثبوت ملتا ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ سے روزہ کا شروع ہونا دریافت ہوا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں ختنہ کرنا، موئے ناف تراشنا، بغل کے بال صاف کرنا، ناخن کترانا، مانگ نکالنا، لبیں کترانا، مسواک، کلی، ناک کی صفائی، استنجا واجب ہوا۔ ان سے یہ دہ گانہ امور فطرت

Scanned with CamScanner

اور حج و قربانی سالانہ وغیرہ یادگار رہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں کل دو وقت کی نمازوں کا فرض ہونا معلوم ہے۔ مگر تاہم ان تمام امورِ دین میں تنسیخ ہوتا رہا۔ نکاح لازم کیا گیا۔ مگر ضرورت کی وجہ سے ابتدا میں حکم یہ تھا کہ ایک حمل کی لڑکی اور دوسرے حمل کے لڑکے سے باہم نکاح درست ہے۔ پھر کسی زمانہ میں ایک وقت میں پچاس اور سو عورتوں سے بھی نکاح جائز کیا گیا۔ اسی طرح سلام ابتدا میں السلام علیکم کا لفظ کہہ کر لازمی تھا۔ پھر کسی زمانہ میں سر کو جھکا کر یا شاید زمین پر ماتھا ٹیک کر بھی جائز ہو گیا ....

....

ہوتے ہوتے ہر عبادت کا صرف وہی طریقہ اب مشروع رہ گیا جو آنحضرت صلعم نے فرمایا اور کر کے دکھایا۔

۳۔ یہاں بعثتِ محمدیہ صلعم کی خصوصیت کا جان لینا بھی بہت ضروری ہے، ورنہ اندیشہ ہے کہ اوپر کے بیانات سے بعض حضرات یہ سمجھنے لگیں کہ ادیان اور شرائع کی تاریخ میں نعوذ باللہ آنحضرت صلعم کا کچھ کارنامہ اور کچھ خصوصیت ہی نہیں ہے۔ آپ کی خصوصیات حسب ذیل ہیں :۔

(۱) آپ کو قرآن دیا گیا جس کی شان میں "فیہا کتبٌ قیمہ" اور "مہیمناً علیہ" وارد ہے۔ یعنی اس میں تمام آسمانی سابق کتابوں کے مضامین جمع و محفوظ کر دیئے گئے ہیں۔ یعنی آپ کی تعلیم کو جامع التعالیم بنایا گیا ہے۔

(۲) آپ نے اپنی خصوصیت خود فرمائی ہے کہ "بعثت لاتمم مکارم الاخلاق" یعنی میں اخلاقی خوبیاں اور بلندیاں پوری کرنے کیلئے مقرر کیا گیا ہوں"۔ پس

Scanned with CamScanner

تہذیبِ اخلاق، تصفیۂ باطن اور تزکیۂ روح کے سلسلہ میں جتنی اور جیسی علمی اور عملی بلندیاں اور خوبیاں دنیا کو آپ سے معلوم ہوئیں۔ اور ہر خلق میں ہر پہلو کی جتنی دقیق رعایتیں انسان کو تعلیمِ محمدیؐ سے معلوم ہوئیں یہ پہلے کبھی میسّر نہ ہوسکی تھیں۔ اور میرے خیال میں مکارمِ اخلاق کی تعلیم کی شان، اخلاق و تصوف سے لیکر دیانات، معاملات اور معاشرات تک کے تمام مسائل میں بھی نمایاں ہے۔ ان میں سے ہر ایک میں بعض دقیق امور کی رعایت کا اضافہ آنحضرتؐ کی خصوصیت ہے۔

(۳) آنحضرتؐ کی شریعت میں چند اہم عبادات کا اضافہ ہوا مثلاً تبلیغ، غنیمت، وضو و تیمم وغیرہ۔

(۴) آپ کو دین کے اقسامِ پنجگانہ کی تمام ان خرابیوں اور بدعتوں کے مٹانے کیلئے بھیجا گیا جو حضرتِ آدمؑ سے لیکر آپ کے وقت تک پھیلیں یا باقی رہیں چنانچہ آپ نے فرمایا کہ "زمانہ گھوم پھر کر آج پھر اسی جگہ آپہنچا جہاں (سادگی اور آسانی میں) اس دن تھا جس دن اللہ نے زمین و آسمان پیدا کئے تھے"۔

غرض اب اچھی طرح سمجھ میں آگیا ہوگا کہ انسان کی بہتری اور ترقی کے قوانین تمام دنیا میں حضرت آدمؑ ہی کے زمانہ سے برابر پھیلتے رہے۔ دنیا والوں نے اگر کبھی کسی نیکی کو نیکی جانا تو یہ بھی پیغمبروں ہی کی تعلیمات کا اثر تھا۔ اور اگر کبھی کسی برائی کو برائی جانا تو یہ بھی پیغمبروں کا طفیل تھا۔ مکان، لباس اور جسم کو صاف رکھنا، صحت کا خیال رکھنا، سلام کرنا، نرمی سے گفتگو کرنا، صبح اٹھنا، جماعت بنا کر رہنا، اپنے میں سے ایک کو اپنا امیر بنا کر اس کے حکم پر چلنا، سچ بولنا، محنت کرنا

وغیرہ جو عالمگیر نیکیاں کہی جاتی ہیں یہ سب اللہ ہی کے بتائے ہوئے قوانین (اسلام) کے مختلف اجزا ہیں جنھیں مہربان خدا نے خیر خواہ پیغمبروں کے ذریعہ مختلف اوقات مختلف ملکوں میں بھیجا اور یہ قوانین ذریعہ بنے ان اقوام کی ترقی اور کامیابی کا۔ اسی طرح گندہ رہنا، کاہل بننا، بدمزاج ہونا، وقت گنوانا، آپس میں لڑنا، جھوٹ بولنا، وعدہ خلافی کرنا وغیرہ جو عالمگیر برائیاں سمجھی جاتی ہیں۔ وہ سب انھیں قوانینِ خداوندی (اسلام) کے مخالف اجزا ہیں جن کو انسانی سرکشی نے پیدا کر لیا اور جو ذریعہ بنے ان اقوام کی پستی اور تباہی کا۔

یہ سمجھنا کہ عالمگیر نیکیاں اور عالمگیر برائیاں انسان اپنے ذہن وعقل سے سمجھ سکا ہے غلط ہے۔ عقلِ انسانی کی نارسائی اور سرگشتگی کا تو یہ عالم ہے کہ باوجود اس کے کہ دنیا میں تعلیماتِ انبیا کی بدولت صحیح نمونہ اور صحیح راستہ کبھی ہر زمانہ میں معلوم اور واضح رہا مگر جب انسان نے اس سے برگشتہ ہونا اور اپنی ضروریات کو اپنی عقل اور اپنے جذبات کے بل پر حل کرنا چاہا وہیں غلطی کی۔ چنانچہ ملک و مقبوضات کا معاملہ، سماج میں عورت کے صحیح مقام کا مسئلہ، سود کا مسئلہ، شراب کا مسئلہ ان کے یہاں آج تک اختلافی اور لاینحل ہے۔

فصل ۳۔ دین و دنیا، ثواب و عذاب اور اسلام کا مطمحِ نظر

ہم عموماً اپنی زندگی کے تمام حالات اور تعلقات کو دو حصّوں پر تقسیم کرتے ہیں ایک وہ امور جو روح، خدا، آخرت، نجات سے براہِ راست تعلق رکھتے ہوں اور انسان پر انفرادی حیثیت سے واجب ہوں انھیں کو ہم عموماً دین کہتے ہیں۔ دوسرے وہ امور جو براہِ راست ہمارے جذبات، تعلقات، مفادِ مالی، دنیاوی وغیرہ سے

تعلق رکھتے ہوں اور انسان پر انفرادی اور اجتماعی دونوں حیثیتوں سے عائد و واجب ہوں ان کو ہم بالعموم دنیا سمجھتے ہیں۔ کسی نے بڑا زور مارا تو یہ کہنے لگا مسلمان کی پوری زندگی دین ہے۔ اس کے کل معاملات و کل حالات دین ہیں کوئی شے دین سے الگ نہیں" مگر یہ دونوں تعبیریں یا غلط ہیں یا ناقص۔ زندگی کے کل حالات اور مسلمان کے کل معاملات یقیناً دین ہیں مگر اس شرط کے ساتھ کہ ان کے ساتھ ہماری روش اور پالیسی انھیں قوانین کی روشنی میں ہو جنھیں مہربان خدا نے خیر خواہ پیغمبروں کے ذریعہ دنیا میں بھیجا۔ عموماً زر، زن، زمین کو دنیا کہا جاتا ہے۔ مگر یہ چیزیں اسی وقت دنیا بنیں گی جب ان کے ساتھ ہماری یہ روش قوانینِ الٰہی (اسلام) کے خلاف اور اپنے نفسانی اغراض کے ماتحت ہو گی چونکہ ہماری یہ روش خود بہت پست اور گھٹیا ہے۔ اس لئے یہ چیزیں بھی دنیا یعنی پست اور گھٹیا بن جائیں گی ورنہ یہی چیزیں اگر قوانینِ الٰہی کے مطابق برتی جائیں تو دین و عبادت ہیں کیونکہ ان کے ساتھ ہماری روش خود دین و عبادت کی ہے۔ زمین میں کاشت کرنا، جاگیر خریدنا اور اس کا بندوبست کرنا، مکان بنانا، عورت سے جائز نکاح کرنا، بیوی بچوں میں رہ کر زندگی گزارنا، مال و زر کا لین دین کرنا یا کسی سے دوستی دشمنی کرنا، کچھ کھانا پینا، کہیں اٹھنا بیٹھنا ان سب کے متعلق قوانینِ الٰہی موجود ہیں۔ تو دین یہ ہے کہ ان تمام امور میں قوانینِ الٰہی پر چلے اور اس کی مخالفت سے بچے۔ یہی اصل زندگی ہے یہی درویشی ہے، یہی عبادت ہے۔ اسی سے فلاح و ترقی ملتی ہے۔ کیونکہ اس طریقہ سے خدا خوش ہوتا ہے۔ اور جس سے وہ خوش ہو جائے پھر کون سی

بہتری ہو گی جو خدا اُسے نہ دیدے گا۔ اسی سے دنیا سنورتی ہے اسی سے جنّت ملتی ہے
ہاں سلطنت اور جنّت دو بامِ ترقی ہیں پہنچاتا ہے دونوں تک یہ زینۂ ایمانی

یہ تو ہوا دین۔ رہی دنیا وہ اسی کے برعکس روش کا نام ہے یعنی تعلقات وضروریات میں احکامِ خداوندی کو پس پشت ڈالنا اور اپنے من مانتے اصول پر چلنا۔ مولانا روم فرماتے ہیں :-

چیست دنیا از خدا غافل بُدن نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

شادی ایک مسلم بھی کرتا ہے اور ایک کافر بھی۔ سکونت کیلئے مکان ایک مسلم بھی بناتا ہے اور ایک کافر بھی۔ حکومت ایک مسلم بھی کرتا ہے اور ایک کافر بھی۔ مگر غور کرو مسلم ان امور میں اللہ تعالیٰ کے حصولِ رضا کا قصد کرتا ہے اور کافر اس سے محروم ہے مسلم عین ان امور کے وقت اور ان امور کے بعد برابر احکامِ خداوندی پر بہ خوشی چلتا ہے۔ کافر صرف اپنی ضرورت اور راحت کی نیت کرتا ہے اور ان امور میں اور ان کے بعد خود ساختہ اور من مانتے اصولوں پر چلتا ہے۔ مسلم کیلئے یہ چیزیں عبادت ہیں اور کافر کیلئے محض عادت۔ مسلم کیلئے یہ چیزیں دین ہیں کافر کیلئے دنیا۔ مسلم کیلئے ان چیزوں کے نتائج راحت، سکون، صلح، رحم اور امن و ترقی ہوتے ہیں (جیسے قرونِ اولیٰ کے پکّے مسلم کے حالات ہوتے تھے) اور کافر کے یہاں انھیں چیزوں کے نتائج بے اطمینانی، بےچینی، جنگ، ظلم ہوتی ہیں جس کی مثالیں ظاہر ہیں۔ پس زر، زن، زمین خود دنیا نہیں ہیں اور ہو بھی کیسے سکتی ہیں۔ جب آدم علیہ السلام سے لیکر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک بہت سے برگزیدہ انسانوں کے پاس بیویاں زمین، زر و حکومت وغیرہ تھیں۔ اگر یہ چیزیں دنیا ہوتیں تو یہ انبیا و رسل اعلیٰ درجے

دنیادار ٹھہرتے۔ مگر معاذ اللہ ایسا نہیں انھوں نے تو ان چیزوں کو جو بظاہر تمام تر اپنی طرف پھنسا لینے والی اور خدا کو بھلا دینے والی ہیں اس طرح برت کے دکھا دیا کہ اب یہی چیزیں ایک طرف خدا تک پہنچنے کا اور دوسری طرف عالم میں ترقی یافتہ، شائستہ و مہذب، غالب و کامیاب بننے کا ذریعہ بھی بن گئیں۔ سچ فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے کہ "ایبتغون عندہم العزۃ" اور فرمایا "ان العزۃ للہ ولرسولہ وللمؤمنین" یعنی کیا یہ لوگ دوسرے لوگوں کے پاس بلندی وعزت سمجھے ہوئے ہیں۔ دوسری جگہ فرمایا کہ یاد رکھنا چاہئے کہ عزت و سربلندی اللہ کے قبضہ میں) اور اس کے احکام کی پیروی میں مضمر ہے اور صرف رسول کا اور پیروانِ رسول (مومنین) کا حصہ ہے پس یہی عزت ہی ثواب ہے۔

چونکہ ثواب اور عذاب کا مفہوم ہم لوگوں میں آجکل کچھ جامد اور محدود سا ہو کر رہ گیا ہے اس لئے ہم اس کو ذرا وضاحت سے لکھتے ہیں:

انسان میں ایک چیز تو روح ہے جو علوی جوہر ہے۔ اس کی مناسبت سے انسان میں ایک عالی تقاضا پیدا ہوتا ہے خدا کی خوشنودی چاہنے کا، اخروی ترقی کا، نفعِ دنیا سے بے پروائی کا، مخلوق کی بے لوث خیر خواہی کا۔ دوسری چیز انسان میں جسمِ خاکی ہے جو مادی جوہر ہے اس کی مناسبت سے انسان میں ایک پست تقاضا پیدا ہوتا ہے دلی تفریحوں میں منہمک رہنے کا، مادی منافع کے پیچھے پڑے رہنے کا، خود غرضی کا، تنگ نظری کا، دنیوی ترقی کا۔ پہلا تقاضا ہے دین اور دوسرا تقاضا ہے دنیا۔ دین اصل کے

اور دنیا فرع۔ دین ایک طائر ہے اور دنیا اس کا سایہ۔ جو شخص اپنا مقصود ہی بناتا ہے دین کو اور اصل کو اور ذاتِ طائر کو تو اس کی عالی ہمتی بھی قابلِ داد ہے اور کامیابی بھی لائقِ دید کہ خود اس کے ذہن میں تو دنیا کا اور فرع کا اور سایۂ طائر کا وسوسہ بھی نہیں مگر اصل اور جڑ پکڑ لینے کے بعد فرع، شاخ، پتے، پھل اور پھول سب کچھ اس کو مفت میں ضمناً اور تبعاً حاصل ہو ہی جائیں گے۔ طائر پر قبضہ کر لینے کے بعد اس کا سایہ، اس کا پر اس کا گوشت سب چیزیں تو از خود رد کن میں اسے ضرور ہی ملیں گی لیکن اگر کوئی شخص اپنی دون ہمتی سے مقصود ہی بناتا ہے دنیا کو تو وہ گویا جڑ پکڑے بغیر شاخ لینا چاہتا ہے اور ذاتِ طائر پر قبضہ کیے بغیر اس کا سایہ پکڑنا چاہتا ہے اور نتیجہ معلوم! بہ قولِ اقبال :۔ ؎

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا ورنہ گلشن میں علاجِ تنگیِ داماں بھی تھا

پس حق تعالیٰ کا مطالبہ بنی آدم سے اور دین کا مطمحِ نظر یہ ہے کہ تم نظر بلند رکھو اور یقین رکھو کہ "ثواب الدنیا والآخرۃ" یعنی دونوں جہان کی راحت و منفعت میرے پاس ہے اور اس کا کسی کو دینا بھی میرے قبضہ میں ہے لہٰذا تم تو اخروی ترقی کو اپنا نصب العین بناؤ۔ روح کے تقاضہ پہ عمل کرو۔ اصل اور طائر کو پکڑو۔ محض شاخ اور صرف سایۂ طائر کی طرف توجہ نہ کرو۔ پست ہمتی نہ دکھاؤ۔ دنیوی اور مادی ترقی کو اپنا مقصود اور اپنا نصب العین اور اپنا مطمحِ نظر نہ بناؤ۔ تم اپنی جنیسی اس معاملہ میں کر دکھاؤ تو میں بھی وعدہ کرتا ہوں کہ اس دنیا میں بھی ایمان اور اعمالِ خیر

والوں کے مادی تقاضے کی تسکین کا نہایت عمدہ سامان کر دوں گا۔ دنیوی ترقی حکومت، خوشحالی بھی تم کو ضرور ملے گی۔ خلافتِ ارضی، غلبہ وحکومت، دشمنوں پر رعب سب کچھ میں تم کو دوں گا۔ اور دوسری دنیا میں جنت بھی دوں گا کیونکہ میرے پاس "ثواب الدنیا والآخرۃ" ہے۔ اور اگر اپنا مطمحِ نظر تم پست بناؤ گے تو یہ بھی یاد رکھو کہ اس دنیا میں بھی بداعمالوں کو تکلیف کی زندگی دونگا اور دوسری دنیا میں بھی جہنم دوں گا کیونکہ میرے قبضے میں "عذاب الادنیٰ اور عذاب الآخرۃ" بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے کلام میں اعمالِ صالحہ کی جزا بیشتر و اکثر مقامات پر صرف جنت، صرف ترقی اخروی اور خوشنودی خدا بتائی ہے۔ دنیوی اور مادی ترقی، حکومت، غلبہ وقوت کو اگرچہ ذکر فرمایا ہے مگر بہت کم جگہہ۔ تاکہ مومن کی نظر ادھر اُٹھنے نہ پائے اور طاعتِ حق کے ساتھ صنم دنیا شریک نہ ہونے پائے۔ چنانچہ ایک جگہہ ارشاد ہے " اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ سب انسان (مسلمان بھی) ایک ہی رویہ (کفر) کے اوپر ہو جائیں گے تو ہم کفار کے گھر کے دروازے، ان کے پلنگ، ان کی چھتیں، ان کی سیڑھیاں سونے چاندی کی بنا دیتے"۔ میرا خیال ہے شاید صحیح ہو اور خدا کرے صحیح ہو کہ خدا نے مومن یعنی اپنے خاص بندے کو حرص، طولِ امل، حُبِ دنیا سے بچانے کے اسی نظریہ سے دین کی اصطلاحات بالکل الگ رکھی ہیں۔ .... جب دونوں کا مطمحِ نظر جدا جدا ہے تو ان دونوں کے الفاظ و اسماء و اصطلاحات و مفاہیم کو بھی ازل سے لیکر آج تک الگ ہی الگ رکھا۔ کبھی دونوں کو باہم خلط ملط ہونے دیا۔ تاکہ علم، احساس، فکر، آرزو، طلب اور سعی غرض کسی منزل میں یہ دو مختلف نظریئے باہم خلط ملط

نہ ہونے پائیں۔ اہلِ دنیا کا مطمحِ نظر پست ہے لہٰذا انھوں نے اپنی منزل اور اپنے مقصود کیلئے اصولِ ترقی و عزت۔ مہذب و باعزت، ترقی، بہترین عیش کے محل وغیرہ کے پست الفاظ و اسماء تراشے اور ان کے مخالف پہلوؤں کیلئے اصولِ پستی و ذلت نامہذب و ذلیل، پستی و ذلت، بدترین تکالیف کا جیلخانہ وغیرہ کے نام تجویز کئے۔ دین اور خدا کا مطمحِ نظر بلند ہے اس لئے دین میں منزل اور مقصود کیلئے ایک طرف ایمان، مومن، ثواب اور جنت کے الفاظ اور مخالف پہلو کیلئے کفر، کافر، عذاب اور جہنم کے الفاظ تجویز کئے۔ نفسِ مفہوم ان اصطلاحاتِ دنیا کا جو کچھ ہے وہی مفہوم ان اصطلاحاتِ دین کا بھی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ اہلِ دنیا کا مطمحِ نظر پست اور صرف اسی عالم تک محدود ہے اور دین کا مطمحِ نظر بلند اور دونوں عالم کو حاوی ہے۔ دنیا کی اصطلاحیں اہلِ دنیا نے بنائی ہیں اور دین کی اصطلاحیں خود حق تعالیٰ نے بنائی ہیں۔ ورنہ ایمان دراصل اصولِ فلاح و ترقی ہی کا نام ہے اور کفر دراصل اصولِ پستی اور ذلت ہی کو کہتے ہیں۔ مومن ہی اصلی مہذب و باعزت انسان ہوتا ہے اور کافر ہی اصلی غیر مہذب و ذلیل انسان ہے۔ ثواب ہر قسم کی راحت منفعت اور عزت ہی کو کہتے ہیں جو حق تعالیٰ کسی بندے کے عمل سے خوش ہو کر اس کو دنیا اور آخرت میں عطا فرمائیں اور عذاب سے مراد وہ ساری ذلت اور دکھ وغیرہ ہے جو خدا کسی سے ناخوش ہو کر اس کو دنیا و آخرت میں دیں۔ اسی طرح جنت سے مراد بے انتہا ترقی یافتہ عیش و راحت کے محل ہیں جو آخرت میں ملیں گے۔ اور جہنم سے مراد ہے بے انتہا ذلت اور تکلیف کا جیلخانہ جو بدکاروں کو آخرت میں ملے گا۔

فصل ۱۴۔ عزت اور ترقی کی حقیقت

اب دنیوی فلاح و ترقی کی حقیقت غور سے سنو۔ اللہ ایک زبردست اور قادرِ مطلق بادشاہ ہے جو ہر جگہ حاضر و ناظر ہے۔ چونکہ اسی نے انسان کو پیدا کیا اور اسی نے انسان کو اشرف مخلوقات بنایا اور جس طرح اس نے انسان کی زندگی برقرار رکھنے کا سامان خود پیدا کیا اسی طرح اس نے ہر انسان میں وقارِ اشرفیت پیدا کرنے اور قائم رکھنے کے قوانین بھی خود بنائے اور پھر دنیا کے ہر ملک والوں کے پاس ہر زمانہ میں اپنے مقدس اور معتبر بندوں کے ذریعہ وہ قوانین بھیجے۔ اس لئے اب وہ زبردست بادشاہ نہایت غور و انصاف سے دیکھ رہا ہے کہ کون ان قوانین پر عمل کرتا ہے اور کون ان سے روگردانی کرتا ہے۔ جو لوگ اس کے قوانین پر جتنا بہتر اور صحیح عمل کرتے ہیں وہ بادشاہ ان سے خوش ہوتا ہے اور ان کو اپنی مہربانی سے فلاح، ترقی، غلبہ، عزت، رعب، قوت، حکومت، دولت اور شہرت کے انعامات دیتا ہے۔ اور جو ان قوانین پر جتنا کم یا برا اور غلط عمل کرتے ہیں وہ بادشاہ ان سے ناخوش ہوتا ہے اور ان کو ان کی بدعملی پر تنزل، پستی، ذلت، مرعوبیت، محکومیت، غلامی، افلاس، کمزوری، بدنامی وغیرہ کی سزائیں دیتا ہے۔ پس عزت اور ترقی دراصل دوسرا نام ہے اس بادشاہ کی خوشنودی کا اور ذلت اور غلامی دراصل دوسرا نام ہے اس بادشاہ کی ناراضی کا۔ اس کے بعد یہ بھی یاد رکھو کہ پہلا انسان پیغمبر یعنی باعلم، باحیا، باتہذیب، خدا کا محبوب تھا۔ اور اس کے ذریعہ خدا نے نوعِ انسانی کو باتہذیب بنایا۔ مگر انسان اپنی خواہشات میں پڑ کر خود راہِ راست سے ہٹنا اور بہکنا چاہتا ہے۔ اس لئے باعزت اور باعلم بنکر بھی وہ

بھکا اور اپنے ہاتھوں ذلیل بنا۔ اس کے بعد اس پر برابر ہی عزت اور ذلت کے دَورے گزرتے رہے۔ ان دورہ ہائے عزت و ذلت کی ترتیب یہ ہے کہ پہلے ایک قوم قوانینِ خداوندی کو بھولنے کی وجہ سے ذلیل الپست، مفلس اور غلام ہوتی ہے۔ پھر اللہ ان پر رحم کرتا ہے اور ان کی تعلیم و ہدایت کیلئے ایک نبی و ہادی بھیجتا ہے۔ جس جس کو اللہ کی توفیق شامل ہوئی وہ اس نبی سے علم صحیح حاصل کرتا ہے۔ یہ ہے فلاح و ترقی کا پہلا زینہ۔ پھر وہ لوگ اس علم صحیح پر نبی کا نمونہ دیکھ کر عمل کرتے ہیں۔ یہ عملِ صحیح ترقی کا دوسرا زینہ ہے۔ پھر ان چند آدمیوں کے طور طریقوں کو سدھرتے اور سنورتے دیکھ کر قوم کے کثیر افراد علم صحیح پاکر دُھن اور دیوانگی بے لوثی اور بے نفسی کے ساتھ اجتماعی طور پر ان اعمالِ صالحہ کی مشق کرتے ہیں۔ اس سے آپ سے آپ اتحاد و قوت حاصل ہوتی ہے۔ اخلاق بلند حوصلے عالی ہونے لگتے ہیں موت کا خوف اور مال کا لالچ ان میں نہیں رہتا۔ اس وقت دوسرے لوگ از خود ان کا احترام کرتے اور ان کا رعب مانتے ہیں۔ پھر ان کے اخلاق کی اس برتری کی وجہ سے کچھ دلوں میں چند ملکوں اور مقاموں پر ان کو فتح نصیب ہوتی ہے۔ اس طرح عزت، غلبہ، دولت، حکومت سبھی چیزیں ان کو ملجاتی ہیں۔ اسی کو اقبال کا یاور ہونا کہتے ہیں۔ دنیا کی دوسری اقوام ان کو اخلاق، تعلیم و تہذیب میں اپنا امام و پیشوا بنالیتی ہیں۔ اس وقت اُن کے اندر شخصی اور انفرادی بداخلاقیاں اور کمزوریاں کم اور دبی رہتی ہیں۔ مگر اجتماعی اور انفرادی خوبیاں بکثرت ہوتی ہیں یہ تیسرا زینہ ہے ترقی اور عزت کا۔ اس کے بعد قدرتی طور پر دولت کی فراوانی ہوتی ہے۔ عشرت اور تن آسانی کی راہیں کھلنے لگتی ہیں۔ اسوقت ترقی ٹھہرجاتی ہے۔

بس یہی نقطۂ ترقی کا آخری اور بلند ترین زینہ ہوتا ہے۔ اس کے بعد ترقی کا کوئی درجہ باقی نہیں رہتا۔

اس کے بعد زوال کی سرحد شروع ہو جاتی ہے۔ اخلاق بگڑنے لگتے ہیں۔ ذوقِ عمل کم ہونے لگتا ہے۔ مال کی محبت اور لالچ۔ عورت کی طرف حد سے زیادہ رغبت، غرور، خود پرستی، رقابت، حسد، تنگ نظری وغیرہ عیوب پھیلنا شروع ہوتے ہیں۔ یہ زوال کا پہلا زینہ ہے۔ پھر باہم خانہ جنگی اور نفاق ہونے سے اجتماعی رعب اور قومی غلبہ کو صدمہ پہنچتا ہے۔ موت سے ڈر اور روپیہ سے محبت پیدا ہوتی ہے۔ لوگوں کے دلوں سے رعب اور ہوا اکھڑنے لگتی ہے۔ یہ زوال کا دوسرا زینہ ہے پھر مفتوحہ ومقبوضہ ملک و مال قومی کمزوری کے باعث نکلجاتے ہیں۔ یا خود ساختہ رسوم واخلاق کے پیچھے تباہ ہوتے ہیں اور قابلِ ماتم بات تو یہ ہوتی ہے کہ اسوقت پوری قوم کا ذہن ودماغ کچھ ایسا ہو جاتا ہے کہ یہ ساری غلط کاریاں اس کے نزدیک پسندیدہ امور ہوتی ہیں۔ اس وقت وہ واعظین ومصلحین سے بیزار رہتے ہیں۔ رفتہ رفتہ ادبار وافلاس، غلامی، نکبت وذلت ان پہ چھا جاتی ہے۔ ان کی اچھی باتیں بھی دوسروں کی نگاہ میں بری سمجھی جاتی ہیں۔ ان کی کوئی آواز اور کوئی وقعت نہیں رہ جاتی۔ یہ ذلت کا آخری درجہ ہے۔ اس کے بعد اب ذلت کا کوئی درجہ باقی نہیں رہتا۔ اس ذلت وغلامی میں ان کو جب تک اللہ کو رکھنا منظور ہوتا ہے رہتے ہیں۔ پھر جب توفیقِ خدا شاملِ حال ہوتی ہے تو از سر نو عروج وترقی کا دورہ شروع ہو جاتا ہے۔ اقبال نے خوب کہا ہے۔ ؎

آ تجھ کو میں بتلا دوں تقدیرِ امم کیا ہے   شمشیر وسناں اول، طاؤس ورباب آخر

دنیا میں پہلے کی بڑی بڑی انھتر۶۹ قومیں اور اب یہ آخری امتِ عربیہ زمین کے مختلف حصوں میں اور مختلف زمانوں میں اُبھریں اور اکثر فنا ہو گئیں۔ ان کے اُبھرنے اور فنا ہونے کی پوری تاریخ میں عزت و ذلت یا بالفاظِ دیگر پیروی رسول کے اختیار اور ترک کرنے کا یہی مرتب اور منظم دورہ کارفرما رہا ہے جو اوپر مذکور ہوا۔ پس اگر کبھی ہندی قوم دوسری قوموں کی پیش رو بنی تو انھیں خدائی قوانین کو معلوم کر کے اور معمول بنا کے بنی اور پھر گری تو انھیں قوانین کو چھوڑنے سے گری۔ اگر کبھی چین کا ملک تہذیب و تمدن کا گہوارہ رہا ہے تو وہ بھی انھیں قوانین پر چلنے کی وجہ سے تھا اور اگر پھر وہ زوال پذیر ہوا تو انھیں کو پسِ پشت ڈالنے کی وجہ سے۔ اگر کبھی رومن امپائر عروج پر رہی تو اس عروج کا راز بھی انھیں قوانین کی پابندی تھی اور جب اس کو زوال آیا تو وہ بھی انھیں کو نظر انداز کرنے کی وجہ سے رُو بہ زوال ہوئی۔ اسی طرح یونانی، بابلی، ایرانی تہذیبوں نے اگر کبھی بامِ ترقی پر اپنا جلوہ دکھایا تو ان کی یہ جلوہ گری انھیں قوانینِ فطرت کی پابندی کی رہینِ منت تھی۔ اور اگر پھر یہ تہذیبیں قعرِ مذلت میں گریں تو اس کا سبب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ انھوں نے خدائی قوانین پر عمل کرنے کی بجائے اپنے من مانتے اصولوں پر چلنا شروع کیا۔ آخر میں امتِ عربیہ بھی جو ترقی کی بلند ترین چوٹی پر پہنچی اور کم سے کم مدت میں جس حیرت انگیز طریقہ سے دیگر اقوام کی امام و پیشوا اور تہذیب کی معلم بنی اور جس کے غلبہ سے تمام دنیا کی نگاہیں خیرہ ہو گئیں تو وہ صرف نبیِ عربی کی تعلیم کی پابندی کی برکت تھی اور اب اگر مسلم یعنی امتِ عربیہ — باوجودیکہ سارے عالم میں چالیس کروڑ

ہیں، پست اور مغلوب ہیں تو اس کی وجہ یہی اور صرف یہی ہے کہ ان قوانینِ خداوندی پر عمل چھوڑ بیٹھے ہیں۔

تاریخ میں اگر ان اقوام وملل کے عروج وزوال کے اسباب وعلل ان الفاظ میں نہیں ہیں تو اس سے اصلِ حقیقت کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ مورخ ہر ملکی اور سیاسی تغیر کا سببِ قریب بیان کردیتا ہے اور بس۔ لیکن خود اس سببِ قریب کا صحیح طور پر جائزہ لیا جائے تو نتیجہ سوا اس کے کچھ نہیں نکل سکتا جو اوپر بیان کیا گیا۔ مثلاً وہ کہتا ہے کہ فلاں بادشاہ کی سلطنت اس وجہ سے نکل گئی کہ ملک میں بدنظمی تھی، فوج بددل تھی، شاہی خاندان کے افراد باخود ہا برسرپیکار تھے وغیرہ۔ مگر خود یہ بدنظمی، فوج کی بددلی، باخود ہا رشک ورقابت کیا چیزیں ہیں؟ یہ تو انھیں قوانینِ خداوندی کی خلاف ورزی کے نتائج ہیں! ورنہ عزت وترقی ہو یا ذلت وپستی صرف اللہ کے قبضہ میں ہے اور بغیر اس کی خوشی سے بخشے ہوئے یا ناخوشی سے چھینے ہوئے کسی قوم پر از خود نہیں پیدا ہوسکتی تھیں!!

فصل ۵۔ پیروی نفس اور اس کی قرآنی اصطلاحات

اسلام یعنی اصولِ فلاح وترقی وہی امور ہیں جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بتانے کے ساتھ کرکے بھی دکھا دیا۔ پس اسلام صرف پیروی رسولؐ کا نام ہے اور ترقی وفلاح بھی صرف پیروی رسولؐ میں منحصر ہے۔ جو شخص جتنا زیادہ طریقۂ رسولؐ پر چلے گا اتنا ہی زیادہ وہ صحیح تہذیب یافتہ، اصلی ترقی یافتہ ہوگا جسے مذہب کی زبان میں مسلم، مومن، متبعِ سنت کہتے ہیں۔ اور اگر نفس کی پیروی کریگا تو وہ غیر مہذب اور پست ہوگا جسے مذہب اہلِ ہویٰ، اہلِ بدعت، اہلِ کتاب، مشرک

اور کافر کہتا ہے۔ پہلا شخص خلق کو بھی عزیز ہوگا اور خالق کو بھی محبوب ہوگا۔
دوسرا شخص خلق میں بھی ذلیل و مبغوض اور خدا کو بھی ناپسند ہوگا۔

دنیا کے تمام صحیح دین اور خدائی قوانین جو آسمانی کتابوں اور پیغمبروں کی سنتوں سے چلے تھے وہ سب اسی پیروئ نفس ہی کے باعث مٹے۔ جب جب خدا نے پیغمبروں کے ذریعہ انسانوں کی فلاح و ترقی کے قوانین بھیجے۔ ہر مرتبہ اسی پیروی نفس اور ایجاد بندہ ہی نے اس سے روک کر انسانوں کو ذلت اور پستی کی جانب لیجانا چاہا۔ چونکہ اللہ کی مشیت بھی یہی تھی کہ وہ گزشتہ تعلیمات انبیا مٹتی رہیں (کیونکہ وہ محدود قوموں کے مخصوص قوانین تھے۔ عالمگیر قومیت اور دائمی امت کیلئے موزوں نہ تھے) اسی لئے اللہ نے ان تعلیمات کی حفاظت کا سامان اور وعدہ بھی نہیں فرمایا تھا۔ ہر نبی کے بعد برابر ہر ملک میں ایسا زمانہ آیا کہ لوگ قوانین خدا اور حصول فلاح کو بھول گئے۔ جس سے ان کی قومی تہذیب زوال پذیر ہوتی رہی۔ مگر یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے ہم محمدی مسلمانوں پر کہ ہمارے رسول کے ذریعہ جب اسنے آخری مرتبہ وہ قوانین زندگی بھیجے تو اس کی حفاظت کا نہایت مکمل انتظام بھی فرما دیا چنانچہ (۱) قرآن کی حفاظت کا وعدہ فرمایا اور اس کو مٹنے اور بڑھنے گھٹنے سے بالکل محفوظ کر دیا (۲) رسول کی زبانی بدعت کی خرابیاں بہت اہم بنا کر کہلوا دیں اور امت کو پیروی نفس ایجاد بندہ سے کافی نفرت دلا دی (۳) ہر صدی پر تجدید دین کیلئے ایک متبع رسول کو مجدد دین بنا کر بھیجتے رہنے کا انتظام فرما دیا (۴) ہر زمانہ میں حق پسند اور حق گو مصلحین کو پیدا کرتے رہنے کا انتظام بھی فرما دیا۔ جو دنیا سے چاہے

گالیاں کھائیں چاہے بُرے سمجھے جائیں مگر رسولؐ کے طریقہ کو قولاً اور عملاً پھیلاتے اور خرابیوں کو روکتے رہیں۔ اس طرح امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرکے دین کے سرچشمہ کو بدعات کے خس و خاشاک سے پاک اور صاف کرتے رہیں۔

یہیں یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ ہم جو مذہبی صحیفوں میں یہ چند اصطلاحیں برابر دیکھتے ہیں: اہلِ نفاق، اہلِ ہویٰ، اہلِ بدعت، اہلِ کتاب، مشرک اور کافر۔ تو ان سے یہ سمجھنا صحیح نہیں ہے کہ ان کے مصداق صرف دوسرے انبیا کی امتیں ہی ہوسکتی ہیں جو پہلے ہو چکیں۔ یہ اصطلاحیں اب امتِ محمدؐیہ میں نہیں ہوسکتیں نہیں بلکہ جس طرح منافق، اہلِ بدعت، اہلِ کتاب وغیرہ حضورؐ کے زمانہ سے قبل یا حضورؐ کے زمانہ میں ہوسکتے تھے اور تھے اسی طرح ان تمام اصطلاحوں کے مصداق آج امتِ محمدؐیہ میں بھی ہوسکتے ہیں اور ہیں۔ یہ اصطلاحیں تو تمام کتبِ سماویہ اور ارشاداتِ انبیا پر عمل کرنے کے ایجابی اور سلبی پہلو ہیں جو ہر زمانہ میں ہوسکتے ہیں۔ ؎

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز　　　چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

ہر زمانہ کی کتابِ سماوی اور سنتِ رسول میں مطابقت ہوتی تھی اور غلبہ و ترقی منحصر رہتی تھی رسولؐ کے اتباع میں (جیسا کہ قرآن میں صاف اور صریح طور پر ہے کہ "کتب اللہ لاغلبن انا و رسلی" (ترجمہ) اللہ نے دستور ہی یہ رکھا ہے کہ یقیناً میں (اللہ) اور میرے تمام رسول ہی غالب رہیں گے۔ پس جو لوگ سچے دل سے اپنے نفس کی مخالفت کرکے رسولوں کی پیروی کرتے تھے وہی اعلون، مفلحون، مومنون یا فلاح و ترقی یافتہ ہوتے تھے۔ مگر

Scanned with CamScanner

انسان کو نفس و شیطان ہمیشہ ہی اتباعِ رسول سے ہٹاتے اور اپنی سجھائی ہوئی راہوں پر چلاتے رہے ہیں۔ اس لئے ہر زمانہ میں جس جس نے طریقۂ رسول ﷺ چھوڑا ان میں کچھ ایسے تھے جنھوں نے اپنے ضمیر اور باطن کے خلاف اپنا ظاہر رکھا یہ اہلِ نفاق یا منافق ہوئے۔ یہ پہلے بھی تھے اور آج بھی ہیں (یہ دوسری بات ہے کہ ہم از روئے مذہب کسی کو متعین کر کے منافق نہ کہہ سکیں) کچھ ایسے تھے جنھوں نے گو زندگی کو طریقۂ رسول سے ہٹ کر گزارا مگر اس کو دین اور کارِ ثواب نہیں سمجھا یہ اہلِ ہویٰ کہلائے۔ یہ پہلے بھی تھے اور اس امت میں اور آج بھی ہیں۔ کچھ ایسے تھے جنھوں نے زندگی کو رسول ﷺ کے خلاف گزارنے کے ساتھ ساتھ ہر اختلاف اور ایجادِ بندہ کو کارِ ثواب بھی سمجھا یہ اہلِ بدعت ٹھہرے۔ یہ پہلے بھی تھے اور اس امت میں اور آج بھی ہیں۔ پھر جب بدعت بہت پھیلتی ہے تو سنتِ رسول کم ہوتے ہوتے غائب ہی ہونے لگتی ہے۔ اس وقت وہی لوگ جو پیرویٔ رسول کرتے تو مسلم کہلاتے اب صرف اس پر ناز کرنے لگتے ہیں کہ ہمارے پاس آسمانی کتاب ہے جس میں خدائی احکام موجود ہیں اور چونکہ طریقۂ رسول کو چھوڑ چکے ہیں اس لئے سنتِ رسول کا ذکر نہیں کرتے صرف آسمانی کتاب رکھنے کا زبانی دعویٰ کرتے ہیں۔ اس حالت میں ان کو اہلِ کتاب کہا جاتا ہے (گو اس وقت ان میں ایک آدھ اصلی مسلم اور متبعِ رسول ﷺ ہوتے ہیں مگر ان کا ہونا نہ ہونا برابر رہتا ہے) یہ گروہ بھی پہلے کی طرح اس امت میں اور آج بھی ہے (یاد رکھنا چاہیئے کہ اس لفظ کے لغوی معنی یعنی "آسمانی کتاب رکھنے والی ملت" کے لحاظ سے تو ایک متبعِ سنت مسلم

بھی اہلِ کتاب کہا جاسکتا ہے۔ مگر یہ محض لغت کے اعتبار سے ہے ورنہ اصطلاحِ قرآنی میں اہلِ کتاب صرف انھیں کو کہا گیا ہے جو سنتِ رسولؐ چھوڑ چکے ہوں) یہ گروہ بھی پہلے کی طرح اس امت میں اور آج بھی ہے۔ پھر جب بدعت اور بڑھتی ہے اور سنتِ رسولؐ کے ساتھ کتاب آسمانی سے بھی بالکلیہ بُعد ہو جاتا ہے تو وہی امتِ رسولؐ وہم پرست بنکر جنوں فرشتوں، نبیوں اور ولیوں کو خدائی میں شریک سمجھتے ہیں اور گو وہ خدا کو مانتے رہتے ہیں مگر بڑا ہی ناقص خدا جو بندوں کو نفع و ضرر پہنچانے میں یا ان کی دعاؤں کو سننے اور ان کی حاجات پوری کرنے میں دوسروں کا محتاج اور شریک ہو ایسے لوگ مشرک کہے جاتے ہیں۔ یہ پہلے بھی تھے اور آج بھی ہیں۔ پھر جب حالت بجد منقلب ہو جاتی ہے اور سنتِ رسولؐ کے ساتھ کتابِ آسمانی سے بُعد ہی نہیں نفرت و عداوت ہونے لگتی ہے تو ان کے لئے کافر کی اصطلاح بنتی ہے۔

ضلالتوں کی اصطلاحات کی یہ تشریح و ترتیب اس حدیث کے مضمون سے اور بھی مؤید ہو جاتی ہے جس میں حضورؐ نے فرمایا ہے کہ "میری امت کے لوگ بھی اہلِ کتاب کی ضلالتوں کی ہر سنت پر چلیں گے اور جو ان کی ضالتیں ہو چکی ہیں وہ ان کی بھی ہوں گی"

فصل ۶۔ اسلام کے اقسام و فوائد اسلام یعنی قوانینِ خداوندی کو اور اس کے زرّیں فوائد اور ترقیِ دنیوی و اخروی کو سمجھنے کیلئے آج کے مسلمان کو معیار نہ بنانا چاہئے۔ کیونکہ مسلمان کسی زمانہ میں نام تھا اور پیروی

رسولؐ کے سبب نام ہونا بھی چاہئے تھا اس کا جو سب سے زیادہ سچا، صاف ستھرا، وقت کا پابند، امانت دار، تندرست اور قوی، ہمدرد اور دیگر صفات رکھنے والا انسان ہوتا تھا۔ اور آج عموماً مسلمان نام ہے اور مخالفتِ سنّت کے سبب نام ہونا بھی چاہئے ایسے انسان کا جو جھوٹا، گندہ، کاہل، بے کار، وعدہ خلاف، دبلا، کمزور، خودغرض ہو اور بُرے اخلاق رکھتا ہو۔ اس سے بڑھ کر افسوسناک امر یہ ہے کہ ان کو اپنی اس ردی حالت کا احساس اور اس پستی سے ترقی کیطرف جانے کی امنگ بھی نہیں ہے۔ ؎

وائے ناکامی! متاعِ کارواں جاتا رہا کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اسلام کے بارہ میں ہمارا علم ہی غلط ہے اس لئے عمل بھی غلط اور بے نتیجہ ہو رہا ہے اور ترقی کا ولولہ بھی مفقود ہے۔ پھر شاید اس میں اضافہ ہوا ہے حدیث "بُنِیَ الاسلام علی خمس" کی غلط تشریح سے لہٰذا ہم پہلے مختصراً اس حدیث کا مطلب لکھ کر پھر اس کے فوائد و اقسام لکھیں گے۔ تاکہ ان فوائد کو سننے کے بعد شاید ترقی کی کچھ امنگ پیدا ہو۔

اس حدیث میں آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ "اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔ (۱) اللہ کی الوہیت اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی گواہی دینا (۲) دن بھر میں پانچ نمازیں پڑھنا (۳) رمضان بھر کے روزے رکھنا (۴) مالدار کیلئے مال کی زکات دینا (۵) مالدار پر کعبہ کا حج کرنا۔ (اور بعض روایات میں کلمہ کی بجائے جہاد کرنا بھی آیا ہے۔) شاید کچھ مسلمانوں نے اِس ارشادِ نبوی سے یہ سمجھا ہو کہ بھلا اسلام کو ترقی، غلبہ، سیاست و حکومت، جسم کی

صفائی، معاملات میں صفائی، کاروبار میں عقل اور ذہن صرف کرنے وغیرہ سے کیا سروکار! خود آنحضرتؐ اسلام کیلئے صرف پانچ یا چھ باتوں کو ضروری فرما رہے ہیں اور وہ یہی ہیں کلمہ، نماز، زکات، روزہ، حج اور جہاد۔ اللہ اللہ خیر سلا۔ لیکن ایسا سمجھنا غلط ہے۔ یہ امور تو اسلام کی صرف بنیادیں ہیں۔ لیکن بنیاد صرف بنیاد ہونیکی وجہ سے کوئی قابلِ قدر اور قابلِ رغبت چیز نہیں اس کی قدر اس وجہ ہے کہ وہ ایک عمارت کی علامت اور ایک آرام دہ نقشہ کو اپنے ساتھ لئے ہوتے ہے۔ بنیاد کے ساتھ ہی عمارت کا تصور اور وجود بھی ہوتا ہے اور عمارت میں دیوار و در، سقف و ستون، نقش و نگار غرض آرام و راحت کی کل چیزیں ہوتی ہیں۔ پس آنحضرتؐ کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کامل تو ایک عالیشان اور دلفریب اور ہر دلعزیز قصر کا نام ہے جو بہت وسیع ہے۔ اور اس میں تمام محاسن، تمام خیرات، تمام عمل صالح، تمام ضوابطہ ترقی و فلاح، تمام اصول سعادت کے دروازے موجود اور کھلے ہوئے ہیں اور یہ چھ چیزیں ان کی بنیاد ہیں۔ یا یوں سمجھو کہ بقیہ تمام خوبیوں اور نیکیوں کا نام اسلام صرف اسی وقت اور اسی شرط کے ساتھ ہو سکے گا جب ان سب کے ساتھ بنیاد میں یہ چھ چیزیں بھی ہوں۔ ورنہ بقیہ نیکیوں کا کام ایک مسلم بھی کر سکتا ہے اور ایک کافر بھی۔ مگر یہ بات کہ کوئی شخص کسی کام کو اتفاقی عادت کی بنا پر کر رہا ہے یا اپنی عقل کی اتباع میں کر رہا ہے یا کسی شخص کی اتفاقی نقل میں کر رہا ہے۔ یا یہ رسولؐ کی پیروی میں کر رہا ہے اور عبادۃً کر رہا ہے۔ تو یہ بات صرف انھیں چھ چیزوں کے کرنے یا نہ کرنے سے

متعین ہوگی۔ یہ امور اس لئے ہیں کہ ان کے ذریعہ انسان عادت ڈالے کہ بقیہ تمام قوانینِ زندگی اور ضوابطِ ترقی کو اللہ پر ایمان اور رسولؐ کی پیروی ہی کی نیت سے کرے۔ اور زندگی کے ہر کام کو خدا کے حکم کے مطابق اور رسولؐ کے موافق کرے اور اس کے ذریعہ خدا کی رضا کا طلبگار ہو۔ کیونکہ جب تک وہ اپنی زندگی ان بنیادی چھ لفظوں سے نہ شروع کریگا اور وقتاً فوقتاً ان سے اپنے اندر جلا اور مشق نہ پیدا کریگا۔ اس وقت تک صحیح نیت اور صحیح طریقہ سے زندگی کا کوئی کام وہ کر ہی نہیں سکتا۔

اسلام کی دو اہم خصوصیتیں ہیں ایک یہ کہ قوانینِ زندگی کا یہ مجموعہ بیک وقت ترقیِ دنیوی اور ترقیِ اخروی دونوں کا ضامن ہے۔ دوسرے یہ کہ ترقی خواہ دنیوی ہو یا اخروی ہو دونوں میں سے کسی کے طالب کو اسلام یعنی قوانین خداوندی سے کسی طرح مفر نہیں۔ یعنی کسی قسم کی ترقی دلانے کیلئے اسلام کے سوا کوئی اور دوسرا ذریعہ پیدا ہی نہیں ہوا۔

ہر زمانہ میں رسول ہی ترقی (اخروی مع دنیوی) کا راستہ بتانے کیلئے آتے رہے اور انھیں کے پیرووں کو فلاح و ترقی، غلبہ و کامیابی ملتی رہی۔ اور ان کے مخالفوں اور دشمنوں کو پستی، ناکامی وغیرہ نصیب ہوتی رہی۔ جس کو قرآن میں عذاب ادنیٰ کہا گیا ہے۔ یعنی اسی دنیا میں غلامی و ذلت کی سزا۔

یہاں شاید ایک اہم شبہ دلوں میں پیدا ہوگا کہ کیا رسول کے مخالف اور کافر، دنیوی ترقی نہیں کر سکتے؟ حالانکہ نظر تو یہ آرہا ہے کہ دنیا میں کافر

ہی ترقی کر رہے ہیں۔ مسلمان یعنی پیروانِ رسول تو بیچارے ذلت و پستی میں نظر آتے ہیں۔ تو جواب سے پہلے ایک تمہید سنئے قرآن میں آیا ہے کہ "ولہٗ اسلم من فی السمٰوٰتِ والارضِ طوعاً و کرہاً" یعنی اللہ ہی کے سامنے اسلام لائے اور سر جھکائے ہیں وہ سب جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں" اس سے معلوم ہوا کہ اسلام کی کئی قسمیں ہیں (۱) اسلام کرہاً جسے ہم اضطراری اور تکوینی کہہ سکتے ہیں۔ (۲) اسلام طوعاً جسے ہم اسلامِ اختیاری اور تشریعی کہہ سکتے ہیں۔ مگر زیادہ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامِ طوعاً یا اسلامِ اختیاری کی بھی دو قسمیں ہیں ایک اقراری اور ایک انکاری۔ اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ اسلام یعنی خدا کے قوانین ذوی العقول اور غیر ذوی العقول اور اسی طرح مومن اور کافر سب کو احاطہ کئے ہوئے ہیں اور کسی کو اللہ تعالیٰ سے اور اس کے قوانین سے کسی طرح مفر نہیں ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے :-

اولاً اسلامِ اضطراری وہ قوانین ہیں جن میں سارے انسان، سارے حیوان بلکہ ساری کائنات بندھی ہے اور اس کے خلاف کر ہی نہیں سکتی مثلاً اجرامِ فلکی کی گردش، حیوانوں کے طبعی ضروریات، نیند، بھوک، پیاس، بول و براز، پیدائش اور موت وغیرہ کہ ان سے کسی حیوان کو مفر نہیں مگر ان قوانین پر عمل کرنے میں چونکہ کسی کے اختیار کا استعمال نہیں ہے اس لئے اس کے کرنے پر ثواب و ترقی اور نہ کرنے پر عذاب دیتی بھی نہیں ہے۔ البتہ ان قوانین کا مقابلہ کرنے سے تکوینی اور فطری سزا ضرور مل جائے گی۔ نیند کے وقت جاگتے رہنے سے اضمحلال اور دردِ سر کا طاری ہونا اور بھوک

میں نہ کھانے سے ضعف آجانا خود ہی محسوس کیجئے گا۔

ثانیاً اسلام اختیاری انکاری یعنی کوئی ترقی کا طالب چند اصول کو اپنا معمول بناتا ہے اور ان سے ترقی کرتا ہے مگر چونکہ ترقی کا کوئی اور ذریعہ سوا اسلام یعنی قوانین خداوندی کے اس آسمان کے نیچے موجود نہیں اور نہ ہوسکتا ہے۔ اس لئے وہ قوانین اور اصول ہوتے تو اسلام ہی کے اجزا ہیں اب یا تو اس کو حقیقتہً خبر نہیں کہ یہ اسلام کے اجزا ہیں یا خبر تو ہوتی ہے مگر عار، عناد اور تکبر کے باعث وہ ان اصول کے قوانینِ خداوندی ہونے سے انکار کرتا یا ماننا نہیں چاہتا۔ مثلاً (۱) یورپی اقوام کا بیشمار قوانینِ اسلام اختیار کرنا۔ نکاح صرف گرجا میں کرنا (گو انھیں انکار ہو مگر نکاح کا عبادت گاہ میں کرنا یقیناً امتِ محمدؐ سے ماخوذ ہے۔ کیونکہ ان کے رسول کا کوئی عملی یا قولی حکم اس بارہ میں نہیں ہے)۔ (۲) ہندوؤں کا بت پرستی ترک کرنا۔ (۳) ہندوؤں کا طلاق کا مسئلہ اپنے یہاں رائج کرنا۔ (۴) ہندوؤں کا وراثت اور خلع وغیرہ کے مسائل اپنے یہاں اضافہ کرنا۔ یہ اور بہت سے مسائلِ حیات دیگر اقوام برابر رسولِ عربیؐ سے لے رہی ہیں اور سچ یہ ہے کہ لینا بھی چاہئے۔ اس لئے کہ یہ تو دیگر اقوام کی سخت محرومی ہے کہ صاف طور پر رسولِ عربیؐ کو اپنا نہیں سمجھتے ورنہ حضرت رسولِ عربیؐ تو رحمۃ للعالمین اور دنیا کی تمام ہی قوموں کے رہبر ہیں اور ساری دنیا کے مالک خدا نے ان کو ساری دنیا کی قوموں کیلئے عام ہی بنا کر بھیجا ہے۔ اس لئے ان سے طریقہ سیکھنے میں نہ تامل چاہئے نہ اس کے اقرار میں عار۔ جس طرح عرب والوں کو حق تھا کہ

Scanned with CamScanner

ان کو اپنا سمجھیں اور ان سے زندگی کے معاملات میں عقل و حکمت آسانی اور سہولت کے قاعدے قانون سیکھیں، برتیں اور اس کا اقرار کریں۔ اسی طرح دنیا کی تمام قوموں کو بھی اس کا یکساں حق اور پورا اختیار حاصل ہے کہ رسولؐ عربی کو غیر نہ خیال کریں بلکہ اپنا سمجھیں اور ان سے مسائلِ حیات سیکھیں اور برتیں اور جب ان کی عقل و حکمت کی باتیں لیتے رہنے سے مفر نہیں تو پھر حق و انصاف یہ ہے کہ ان کی تعلیم کا انکار کر کے لیتے رہنے سے کہیں زیادہ بہتر یہ ہے کہ ان کو اور ان کے احسان کو مان کر ان کی تعلیمات اختیار کریں۔

لیکن دنیا احسان پوش اور احسان فراموش ہے۔ آج اگر ان لوگوں کو (جو تعلیماتِ رسولؐ اختیار کر رہے ہیں یہ دیکھ کر کہ اس کے سوا کوئی اور چارہ کار ہی نہیں ہے) آپ ٹوکیں گے تو وہ یہ جواب دیں گے کہ یہ تو عالمگیر نیکیاں ہیں جنھیں ہم نے بھی اختیار کر لیا ہے۔ یا کہیں گے کہ اسے تو اپنی عقل سے سوچ کر ہم نے اختیار کیا ہے۔ یا کہیں گے کہ یہ تو ہم نے مسلمانوں سے نہیں یورپ وغیرہ سے سیکھا ہے۔ مگر آپ کو معلوم ہے یہ عالمگیر نیکیاں اور عالمگیر اصول وہی قوانین خداوندی تو ہیں جنھیں حضرت آدمؑ سے لیکر حضرت محمدؐ علیہم السلام تک تمام پیغمبر لاتے اور دنیا کے ہر گوشہ اور زمانہ کے ہر قرن میں پھیلاتے رہے اور لوگ ان پر عمل کرتے اور فلاح پاتے رہے۔ پس گو یہ لوگ بے خبر یا منکر ہیں مگر ان کا عمل ہے اسلام ہی کی نقل یا نقل در نقل پر۔ اور چونکہ ایسی حالت میں یہ لوگ صرف ایک کام کرتے ہیں یعنی قوانینِ خداوندی پر صرف عمل کر لینا۔ اس لئے

نفسِ عمل ہی کی بدولت ان کو دنیوی کامیابی ملجاتی ہے۔ ہر عمل کی بنیاد میں کفر کے ہوتے اور ایمان و نیتِ آخرت اور نماز، روزہ، زکات اور حج نہ ہونے کی وجہ سے ان کی کامیابی گو عارضی ہوتی ہے مگر تھوڑے عمل پر کفار کو زیادہ کامیابی مل جاتی ہے۔

ثالثاً اسلامِ اختیاری اقراری (اور اسی کو عموماً اسلام کہا جاتا ہے اسی کے دوسرے نام ایمان، شرع، دین اور سنتِ رسول بھی ہیں) وہ قوانینِ خداوندی ہیں جن کے کرنے پر ہم مجبور نہیں ہیں بلکہ ہم اگر اپنا اختیار استعمال کریں تو ان قوانین پر عمل کر سکتے ہیں۔ اور اگر اختیار و قویٰ سے غلط کام لیں تو ان کو ترک بھی کر سکتے ہیں ان قوانین پر عمل کرنے میں ہم خدا اور رسول کا اقرار بھی کرتے ہیں۔ پس چونکہ اس طرح عمل کرنے والوں کو دو کام کرنے پڑتے ہیں ایک تو یہ ماننا کہ وہ قوانین، خدا نے بنائے اور رسول نے ہم کو بتائے ہیں۔ دوسرے ان قوانین پر عمل کرنا۔ تو ایسے کامل اسلام سے خدا خوش ہوتا ہے اور اس کے انعام میں ثواب الدنیا یعنی دنیوی ترقی، عزت، راحت وغیرہ بھی عطا کرتا ہے۔ اور ثواب الآخرہ یعنی آخرت کی ترقی، جنت کی راحتیں، اپنا قرب و دیدار بھی عطا فرمائے گا۔ اور ان قوانین کے خلاف کرنے سے یا ان کا انکار کرنے سے خدا ناخوش ہوتا ہے اور اسے عذابِ ادنیٰ یعنی دنیا میں بھی تباہی کی سزا دیتا مگر کفار کو دنیا میں ڈھیل، استدراج اور فتنے کے طور پر عموماً سزا نہیں دیتا۔ البتہ آخرت میں دوزخ کی سزا ضرور دے گا۔

اگرچہ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ صرف اسلامِ اضطراری ایسی چیز ہے جس سے کائنات کی کسی شے کو مفر نہیں اور اسلامِ اختیاری انکاری ایسی چیز ہے جس سے کفار کو مفر نہیں۔ مگر ان دونوں کے مقابلے میں اسلامِ اختیاری اقراری میں انسان

با اختیار معلوم ہوتا ہے اور وہ بات نہیں کہ انسان کو اس سے بھی مثل ان دونوں کے مفر نہ ہو مگر سچ یہ ہے کہ ایک سلیم الفطرت اور صحیح العقل شخص کیلئے اس سے بھی مفر نہیں. کیونکہ انسان کیلئے اقراری طور پر اسلام اختیاری کو لے لینے کے سوا اور صورت ہی کیا رہجاتی ہے؟ پس مبارک ہیں وہ روحیں جو بہ طوع و رغبت اس پر عامل ہیں!!

اس تفصیل سے سمجھ میں آگیا ہوگا کہ کافر اور مخالفینِ رسول بھی ترقی کر سکتے ہیں اور ان کی ترقی کا راز اور سبب (انکاری شکل میں ہی مگر) ہے، وہی اختیارِ اسلام اور اتباعِ رسول۔ یعنی جس جس نے ان قوانین یا بالفاظِ دیگر عالمگیر نیکیوں اور خوبیوں یا عالمگیر اصولوں پر عمل کیا اسی کو دنیا میں غلبہ، ترقی، قوت، رعب، نیکنامی کے انعامات ملے یہ نتائج تو ان تعلیماتِ انبیا کے لازمی اور منطقی نتائج ہیں جو بھی انھیں استعمال کریگا وہ چاہے خدا کو اور انبیا کو نہ مانے اور تعلیمات کو تعلیماتِ انبیا نہ تسلیم کرے دنیوی ترقی ضرور کریگا۔ برٹش، جاپان، جرمن، روس، امریکہ وغیرہ آج بڑی ترقی یافتہ قومیں کہی جاتی ہیں. مگر سوچو اور تحقیق کرو تو معلوم ہوگا کہ ان کی ترقی اور غلبہ کا راز رفاہ عام کے کام، حلم و تحمل، محنت و جفاکشی، وقت اور وعدے کی پابندی، صفائی صفائی وغیرہ صفات ہی ہیں اور تم جانتے ہو کہ یہ امور انھیں قوانینِ خداوندی یعنی اسلام کے اجزا ہیں۔ اور یہ ترقی "اسلام انکاری" کے باعث ہے۔

بلکہ علی وجہ البصیرت میرا دعوا ہے کہ دنیا کے کسی گوشہ میں، تاریخِ عالم کے کسی دور میں اگر ایک ڈاکو نے بھی اپنی جمعیت کے ساتھ ملکر کچھ قوت اور شہرت، شوکت و رعب وغیرہ حاصل کیا ہے تو اس کی یہ نام نہاد ترقی بھی اسلام پر انکاری عمل کرنے ہی کی وجہ سے ہے. کیونکہ اس کو یہ چیزیں صرف اس لئے ملیں کہ اس نے

اپنے گروہ میں ایکا رکھا، مال حصہ رسدی تقسیم کیا۔ ہر ایک نے مل کر جماعتی راز کی پوری
حفاظت کی۔ ہر ایک نے دوسرے کی رائے اور عزت کو ادنیٰ صدمہ پہنچانے سے کبھی گریز
کیا۔ یہ مال و ترقی ناجائز اور مذموم سہی مگر دیکھنا یہ ہے کہ اس ترقی و ثروت کے
اصول کیا اجزائے اسلام، تعلیماتِ انبیا اور قوانینِ خداوندی کے علاوہ کچھ اور تھے؟
غور کیجیے جب اسلام انکاری کے بھی یہ کچھ فوائد ہیں تو اسلام اقراری کے منافع و فوائد
کیا کچھ نہ ہوں گے۔ ؎

یارب اس ساغرِ لبریز کی مے کیا ہوگی؟ — جادۂ راہِ لقا ہے خطِ پیمانۂ دل

لفظِ اسلام کا مادہ ہے س، ل، م (سلامت) تو یاد رکھنا چاہیے کہ اس کے
قوانین پر عمل سے انسان کی پانچ اہم چیزیں سلامت رہتی ہیں جسم، روح، عقل، عزت
اور مال (اور انسان کو ان پانچ چیزوں کے علاوہ اور کوئی بنیادی ضرورت در اصل
ہے بھی نہیں) پس اسلام کے فوائد میں سے یہ ہے کہ (۱) سچے مسلمان کی عقل بھی سب سے
سب سے زیادہ صحیح و سالم رہتی ہے کہ وہ ایک خدا کو پہچانتا اور پرستش و غلامی اسی
کی کرتا ہے۔ ورنہ اسلام کو چھوڑنے والے تو دو تین خدا بلکہ سیکڑوں ہزاروں خداؤں
کو یہاں تک کہ پتھر، درخت اور اعضائے انسانی تک کی پوجا کرتے ہیں اور ظاہر ہے
کہ یہ عقل کی تباہی اور موت ہے۔ (۲) سچا مسلمان جسم کے لحاظ سے سالم اور ستھرا ہوتا ہے
اور اسلام کو چھوڑنے والا پیشاب وغیرہ کی گندگی میں مبتلا رہتا ہے۔ (۳) سچا مسلمان
صحیح اصولِ زندگی برتنے کی وجہ سے باعزت ہوتا ہے۔ دوسری قوم اور مذہب کے لوگ
بھی از خود اس کی عزت اور قدر دل سے کرتے ہیں۔ ورنہ اسلام چھوڑنے والوں
کے کرتوت تو ایسے ہوتے ہیں کہ لوگ دل سے ان کو ذلیل سمجھتے ہیں۔ (۴) سچا مسلمان اپنا

Scanned with CamScanner

مال بھی زکوٰۃ دیتے رہنے اور فضول رسموں سے بچتے رہنے کی وجہ سے محفوظ اور سالم رکھتا ہے ورنہ اسلام سے منحرف لوگ مال کی محبت کرکے یا بے موقع اُڑا کر مال کو جس طرح تلف کرتے رہتے ہیں ظاہر ہے۔ (۵) سچے مسلمان کی روح بھی آخرت میں محفوظ اور سلامت رہے گی اور اسلام سے منحرف لوگ دوزخ کے دکھ سہیں گے۔

یہ ہیں اسلام کے فوائد لیکن آج ہم بے عملوں اور کم نظروں کی بدنصیبی دیکھو کہ تعلیماتِ قرآنی اور وعدہ ہائے خداوندی فراموش کرنے کی وجہ سے جانتے بھی نہیں کہ عزت، غلبہ، ترقی اور فلاحِ دو جہان مسلمان اور صرف مسلمان کا حصہ ہیں نہ کہ کافر اور بدکار کا۔ چنانچہ "انتم الاعلون ان کنتم مومنین" (یعنی مومن بنے رہو تو پھر سربلندی تمہارا ہی حصہ ہے) اور "لا یفلح الکافرون" (یعنی کافر و بدکار تو کبھی پنپ ہی نہیں سکتا) وغیرہ بیشمار آیتیں اس کی گواہ ہیں لیکن یوروپین اقوام کو مالدار یا برسرِ حکومت یا تجارت میں کامیاب دیکھ کر ہم للچانے لگتے ہیں اور ان کی ادھوری ترقیوں کو دیکھ کر انھیں کو اپنا مطمحِ نظر اور ان اقوام کی نقل کو اپنی روش ہم بھی بنانا چاہتے ہیں۔ حالانکہ مسلمان کا ایمان اس ارشادِ قرآنی پر ہونا چاہئے کہ "ان العزۃ للّٰہ و لرسولہ و للمومنین" (عزت اور ترقی تو اللہ کے قبضہ میں اور پیغمبرؐ اور اس کے پیرو مسلمانوں کا حصہ ہے) اسکو دیکھنا چاہئے کہ آیات "قد افلح المومنون" اور "فاستبقوا الخیرات" (یعنی پورے کامیاب تو بس مومن یعنی پیغمبر کے سچے پیرو ہی ہیں۔ اور نیکیوں میں ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش کیا کرو) میں اللہ تعالیٰ کیا فرما رہے ہیں؟ سورۂ والعصر میں کیا چیز حاصل کرنے کیلئے ایمان اور تبلیغِ ایمان، اعمالِ صالحہ اور تبلیغِ اعمالِ صالحہ کو ضروری فرمایا جا رہا ہے۔

Scanned with CamScanner

شاید یہاں یہ شبہہ پھر پیدا ہو کہ اسلام ایمان اور عبادت کے سلسلہ میں سلطنت اور حکومتِ دنیوی کا نام لیا جانا الحاد، زندقہ، نیچریت، مشرقیت معلوم ہوتی ہے تو اگرچہ دیباچہ میں اور مختلف مقامات پر مختلف طریقہ سے اس کا شافی جواب ہو چکا ہے مگر یہاں ایک آخری بات اور کہہ دوں کہ اللہ تعالیٰ ساری دنیا کے پالنے والے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ میری مخلوق پر میرا جو نائب اور ظل ہو وہ صالح نیکو کار ہو۔ اور ظاہر ہے کہ ایسا انسان سوا "مردِ مومن" کے کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا پس خدا تعالیٰ مردِ مومن اور صرف مردِ مومن کو سلطنت اور حکومت دینا چاہتے ہیں۔ تاکہ اس کے زیرِ سایہ خدا کی ساری مخلوق آرام پا سکے اور خود خالق کی عظمت بھی آشکار ہو کہ وہ مومن سلطنت پا کر بھی نماز پڑھے گا، زکاتیں دیگا، نیکیاں پھیلائیگا، برائیاں روکے گا۔ ہاں جب مومن نکما ہو جائے تو جب تک مومن اپنے کو اس منصب کے قابل نہ بنا لے گا صرف اس درمیانی مدت تک کیلئے کافروں میں سے جو جماعت اسلام سے زیادہ قریب تر ہو گی انتظاماً حکومت اسی کو دیدی جایا کرتی ہے عبادتِ خدا پر حکومت ملنے کے متعلق یہ شبہہ اس لئے پیدا ہوا کہ سلطنت کچھ عام تصور صرف فرعون، نمرود، ہٹلر، ٹوجو کی سلطنتوں کا سا عام دماغوں میں لبا ہوا ہے اور ذہن میں سلطنتِ سلیمان علیہ السلام، حکومتِ یوسف علیہ السلام، شہنشاہی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، امارتِ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا خیال بھی نہیں گزرتا۔ اور حکومت فی سبیل اللہ اور حکومت فی سبیل الطاغوت کا فرق ان کو معلوم نہیں۔ انھوں نے محیا و ممات کو اللہ کی نذر کر دینے کا مقام شاید انسانوں سے بعید و ناممکن سمجھا ہے۔ حالانکہ یہ بعید نہیں ہے۔ پس آؤ آج ہم تم کو صالحات و خیرات،

Scanned with CamScanner

ضوابطِ زندگی اور اصولِ ترقی، وسائلِ عزت اور قوانینِ فلاح، طریقہ کامیابی اور ذریعہ نیکنامی، قواعدِ غلبہ اور اسبابِ حکومت بتائیں ۔

فصل ۷ ۔ ترقی کے خداوندی اصول

حضرت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

" ایمان کی کچھ اوپر ستر، شاخیں ہیں سب سے بہتر شاخ تو لا الہ الا اللہ (پورے کلمہ طیبہ) کا کہنا ہے اور سب سے چھوٹی اور آخری بات راستوں سے تکلیف دہ چیزوں کو ہٹا دینا ہے اور شرم وحیا بھی ایمان کی ایک شاخ ہے "۔ (بخاری ومسلم) اس حدیث کی شرح میں اکثر علما نے ستتر باتیں ذخیرۂ احادیث سے لیکر جمع کر دی ہیں جن کی مجمل فہرست یہ ہے :-

۱۔ ایمان لانا اللہ پر
۲۔ " غیر اللہ کے حادث ہونے پر
۳ " سب فرشتوں پر
۴ " سب پیغمبروں پر
۵ " سب آسمانی کتابوں پر
۶ " قیامت کے دن پر
۷ " جنت پر
۸ " دوزخ پر
۹ " تقدیر پر
۱۰۔ اللہ سے محبت
۱۱ ۔ رسول اللہ سے محبت
۱۲ ۔ حب فی اللہ و بغض فی اللہ
۱۳ ۔ اخلاص اور دھن
۱۴ ۔ توبہ
۱۵ ۔ خوف
۱۶ ۔ امید و رجا
۱۷ ۔ شرم وحیا
۱۸ ۔ شکر
۱۹ ۔ وعدہ کی پابندی
۲۰ ۔ صبر

Scanned with CamScanner

٢١- تواضع

٢٢- تعظیم و توقیر

٢٣- رضا

٢٤- توکل

٢٥- ترکِ عُجب

٢٦- ترکِ بغض

٢٧- ترکِ حسد

٢٨- ترکِ غضب

٢٩- نصیحت اور خیر خواہی

٣٠- زہد اور ترکِ امل

٣١ کلمۂ طیبہ کہنا

٣٢- قرآن کی تلاوت کرنا

٣٣- علم سیکھنا

٣٤ علم سکھانا

٣٥- دعا

٣٦- ذکر

٣٧ لغو کلام سے بچنا

٣٨- طہارت و نفاست

٣٩- نماز کی پابندی

٤٠- صدقہ اور سخاوت

٤١- روزہ

٤٢- حج

٤٣- اعتکاف

٤٤- ہجرت

٤٥- نذر پوری کرنا

٤٦- قسم کا لحاظ رکھنا

٤٧- کفّارہ و جرمانہ

٤٨- پردہ اور بدن ڈھانکنا

٤٩- قربانی

٥٠- کفن دفن

٥١- ادائے قرض

٥٢- جائز کمائی اور معاملہ کی صفائی

٥٣- سچی گواہی

٥٤- نکاح

٥٥- حقوقِ عیال

٥٦- ماں باپ کی خدمت

٥٧- اولاد کی پرورش

٥٨- رشتہ داری کا لحاظ-

Scanned with CamScanner

۵۹ - آقا کی اطاعت
۶۰ - عدل وانصاف
۶۱ - اتباعِ جماعت
۶۲ - حاکم کی اطاعت
۶۳ - اصلاحِ فساد
۶۴ - نیکیوں میں ایک دوسرے کی مدد
۶۵ - تبلیغ یعنی نیکی پھیلانا برائیاں روکنا
۶۶ - سزا وتعزیر کا جاری کرنا
۶۷ - جہاد یا اشاعتِ دین
۶۸ - رازداری وامانت
۶۹ - قرض دینا
۷۰ - پڑوسی کے ساتھ سلوک
۷۱ - حسنِ خلق وحسنِ معاملہ
۷۲ - اچھی باتوں میں مال خرچ کرنا
۷۳ - جوابِ سلام
۷۴ - جوابِ عطسہ
۷۵ - ترکِ ایذا وضرر
۷۶ - لغو مشغلوں سے بچنا
۷۷ - ایذا دہ چیز کو راہ سے ہٹانا

(فوائدِ سبعہ) - (۱) اس حدیث کے بعد بظاہر ضرورت یہ معلوم ہوتی ہے کہ خود رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کچھ اوپر ستر یعنی ستتّر اجزائے ایمانی

ف - ایمان اور اسلام اکثر ہم معنی بولے جاتے ہیں البتہ کبھی کبھی دونوں چیزوں میں کچھ فرق بھی بتایا جاتا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام عام ہے اور ایمان خاص۔ اسلام عمل اور ظاہر سے تعلق رکھتا ہے اور ایمان علم اور باطن سے۔ کبھی ایمان سے مراد ورع وتقویٰ کا درجہ بھی ہوتا ہے۔ لغت میں ایمان کے معنی ہیں امن دینا۔ گویا جو احکامِ خدا کی پیروی کرتا ہے وہ اپنی جان کو دوزخ سے امن وامان میں پہنچا دیتا ہے۔ اسی طرح اسلام کے لغوی معنی ہیں (۱) سلامتی میں پہنچ جانا۔ (۲) فرمانبرداری کے لئے سر جھکا دینا۔ گویا احکامِ خدا کا پیرو سلامتی میں پہنچ جاتا ہے۔ ان معانی سے ایک نکتہ یہ بھی نکلتا ہے کہ ایک مومن اور مسلم ہی ایسا شخص ہو سکتا ہے جو دنیا میں امن وامان اور سلامتی پھیلا سکے۔

کی فہرست متعین طور پر گنا دیتے مگر ایسا نہیں ہوا اس کی دو وجہیں ہیں اولاً یہ کہ قرآن اور حدیث کی طرز تعلیم علمی اور تصنیفی نہیں ہے بلکہ عملی اور مشفقی حکیمانہ ہے۔ فہرست یکبار گنوا دینے سے ضابطہ اور قانون کی شکل تو ہو جاتی مگر اس سے قوائے عملیہ گراں بار اور شل بھی ہو جاتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ یہ تھا کہ آپ صحابہ کو اتنی ہی تعلیم دیتے جتنی کی انھیں اس وقت ضرورت ہوتی۔ تاکہ ساتھ کے ساتھ اس علم پر عمل بھی ہوتا چلے۔ (ثانیاً) یہ کہ آپ کا طریقہ تفصیلی تعلیم اور جزئیات کی تعلیم کا تھا اور اگر آپ جزئیات کو متعین طور پر گنوا دیتے تو محض منتشر جزئیات کی تعلیم ہرگز تمام تعلیمات اسلام (یعنی ایمان اور اصول ترقی) کو حاوی نہیں ہو سکتی تھی۔ منتشر جزئیاتی تفصیل تو صرف ایک عنوان مثلاً اقامتِ حدود ہی کے ہو سکتی ہے۔ حالانکہ کچھ اوپر ستر فروعِ ایمان سے آپ کا منشا اصولِ ایمان کی جامع سرخیاں ہیں نہ کہ جزئی احکام۔

(۲) مرقات شرحِ مشکوٰۃ اور فتح الباری شرح بخاری سے معلوم ہوتا ہے کہ روایات میں بضع وستون (کچھ اوپر ساٹھ) بھی ہے۔ مگر بضع وسبعون (کچھ اوپر ستر) کے الفاظ زیادہ صحیح ہیں۔ اور علامہ سیوطی رح و امام بیضاوی رح، امام کرمانی رح، امام بیہقی رح، و امام ابن حبان رح وغیرہ نے فروعِ ایمان کے جامع عنوان بقدر ۷۷ کے اپنی اپنی عربی تصانیف میں جمع کئے ہیں۔ ان علماء میں ان منتشر جامع عنوانات کی تعیین میں باہم اختلاف بھی ہے۔ اور صاحب مرقات کا خیال ہے کہ صحیح ترین فہرست وہ ہے جو ابنِ حبان رح نے درج کی ہے۔ رہا اردو زبان میں اس کا ذخیرہ تو اس موضوع پر حضرت مرشدی

Scanned with CamScanner

حکیم الامت رحمہ اللہ کی کتاب فروعِ ایمان نہایت مفصل ہے۔ اس کے علاوہ اردو میں دو جگہ اور بھی یہ شعب الایمان درج ہیں ایک تو شاہ ولی اللہ صاحب رح کی قول الجمیل کے ترجمہ شفاء العلیل میں مولانا خرم علی صاحب نے فائدہ کے عنوان سے نقایۃ العلوم علامہ سیوطی رح سے نقل کر کے مجمل فہرست درج کی ہے دوسری کتاب "محاسن الاعمال" میں نواب صدیق حسن خاں صاحب نے اِنکی مجمل فہرست درج کی ہے۔ اس کے بعد لکھتے ہیں کہ "میں یہاں مختصر فہرست لکھتا ہوں ورنہ میں نے سراج قزوینی سے اخذ کر کے مفصلاً اردو میں رسالہ "روض الخصیب" میں لکھا ہے" (یہ رسالہ میری نظر سے نہیں گزرا)۔ یہ بھی واضح رہے کہ اِن تینوں فہرستوں میں بھی جو اردو میں "فروع الایمان" "شفاء العلیل" اور "محاسن الاعمال" میں درج ہیں اجزائے ایمانیہ کی تعیین میں بہت اختلاف ہے کہیں عنوان کا کہیں معنون کا۔ (احقر نے جمع و تطبیق کے بعد فہرست لکھی ہے)۔ اس کا راز احقر کی سمجھ میں یہ آتا ہے کہ زمانے کی اکثر ضرورتیں اور لوگوں کے حالات و خیالات بدلتے رہتے ہیں کسی زمانہ میں زندگی اور ترقی کے جو اہم اصول ہوں ضروری نہیں ہیں کہ وہی ذرائع ترقی ہر زمانے میں رہیں پس اسی لئے اسلام کے اساسی اجزا کے بعد بقیہ کی تعیین میں اختلاف رہا ہے پس آج بھی یقیناً اس کی گنجائش باقی ہے کہ کوئی مردِ حقانی ارشاداتِ نبوی ہی کے ذخیرے سے اساسی اجزائے اسلام کے ساتھ ۷۷ کی تعداد پوری کرنے کیلئے مندرجہ بالا بقیہ اجزا کے بجائے حسبِ ضرورتِ زمانۂ حاضرہ، دوسرے اور نئے عنوانات تجویز و انتخاب کرے۔ جس میں آج کی زندگی اور ترقی کے

تمام جائز پہلوؤں کے متعلق احکامِ نبوی موجود ہوں۔ بلکہ میرے نزدیک تو گنجائش اس کی بھی ہے کہ اگر ضرورت ہو تو ۷۷ میں دو اور عنوانات کا اضافہ کیا جائے۔ بشرطیکہ وہ امور منطوقاتِ کتاب وسنت سے ہوں۔ اور ایسا کرنا نعوذ باللہ حکمِ رسول صلعم میں ترمیم یا اضافہ نہ ہوگا کیونکہ بضع کا اطلاق لغت میں ۹ تک ہوسکتا ہے۔ اور چونکہ ۶۹، ۷۵، ۷۷ سبھی روایتیں ہیں۔ اس لئے بظاہر ۷۷ پر انحصار وتحدید مقصود نہیں معلوم ہوتا۔ پس دہائی تو ستر ہی کی متعین رہنی چاہیئے۔ البتہ اکائی میں ۹ بھی لیا جاسکتا ہے۔ یہاں یہ بھی واضح کردینا ضروری ہے کہ بعض علما ستتّر کے عدد کو محض کثرت اور عددِ کثیر کے معنوں میں سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک کسی اکائی اور کسی دہائی کی تحدید نہیں ہے۔ واللہ اعلم!

(۳) نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات تمام دفاترِ حدیث میں تفصیلی مگر منتشر طور پر موجود ہیں۔ علمار کو جب ستتّر کی تعداد میں جامع عنوانات اور شعبے تلاش کرنے کی ضرورت پڑی تو انھوں نے تمام دفاترِ حدیث چھانے اور اپنے نورِ ایمان سے رسول صلعم کے طرزِ کلام پر غور کیا تو جہاں جہاں آنحضرت صلعم نے کسی تعلیم کے متعلق یوں فرمایا کہ یہ بات اسلام کا جزو ہے یا ایمان میں سے ہے اس کو لے لیا۔ یا کہیں یوں فرمایا کہ جس مسلمان میں فلاں بات ہو میں اس سے بَری ہوں یا وہ ہم میں سے نہیں ہے اس کے مخالف پہلو کو بھی لے لیا۔ یا ان کے علاوہ کسی اور طرزِ بیان سے بھی ان کو اس چیز کا ضروری ہونا سمجھ میں آیا تو انھوں نے سمجھا اور صحیح سمجھا کہ رسول صلعم فلاں فلاں بات کو جزوِ ایمان بتا رہے ہیں۔ پس انھوں نے ایسی کل باتیں جمع کیں۔

Scanned with CamScanner

پھر مکررات کو حذف کیا پھر ایک جزوی عنوان کو دوسرے کلّی عنوان میں مندرج پاکر جزوی کو بھی چھوڑ دیا اور صرف کلّی عنوانات بقدر ستتر کے جمع کر لئے۔

(۴) یہی وہ جامع اصول ہیں جن کی مفصل تقسیم و تفصیل فقہ کے مطولات میں ہے گویا یوں سمجھو کہ اصولِ ترقی و عزت و قوانین خداوندی اگر بہت تفصیل سے بیان کئے جائیں تو اس قدر ہیں جو فقہ کے طولانی دفاتر میں مدون ہیں اور اگر ان کو سمیٹ کر جامع کلیات اور حاوی عنوانات میں بیان کرنا ہو تو وہ بقدر ان ستتر کے ہیں (کیونکہ جیسا آگے آئیگا اعمالِ صالحہ کی کوئی جزئی بھی ان جامع اصول سے باہر نہیں ہیں) لیکن اگر ان ستتر میں سے بھی بہت ہی اہم چیزوں کا انتخاب کیا جائے تو بقدر چالیس[۱] کے نکل سکتی ہیں اور اگر ان میں سے بھی بے حد اختصار کیا جائے تو پھر وہ پانچ یا چھ[۶] ٹھہرتے ہیں جن کو آنحضرت صلعم نے اسلام کی بنیاد دین فرمایا ہے اور پھر اگر ان سب کو ایک جملہ میں سمیٹ کر بیان کیا جائے تو پھر وہ کلمہ طیبہ ہے جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے موجب نجات اور ضامن جنت (ترقی اخروی) فرمایا ہے۔ گویا یہ کلمہ طیبہ ایک شجر طیب کا بیج ہے جس کی جڑیں چھ ہیں پھر اس کے موٹے ڈالے چالیس ہیں پھر ان سے ستتر شاخیں نکلتی ہیں اور پھر ان کے فروع سے بے انتہا پھل پھول، پتیاں اور کلیاں پھوٹتی ہیں!

۱؎ - اکابر امت کا معمول رہا ہے کہ چہل حدیث اپنی پسند سے انتخاب کر کے جمع اور شائع کرتے رہیں۔ مگر ایک روایت میں خود آنحضرت صلعم سے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے چہل حدیث کے انتخاب کی درخواست کی اور آپ نے انتخاب کر کے ان کو بتایا۔ ہم اپنے ناظرین کیلئے آخر کتاب میں اس کو نقل کر دیں گے۔ کیونکہ وہ بہت جامع ہے۔

(۵) یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ ۷۷ اجزائے ایمان اگرچہ سب ہی اجزائے اسلام، فروعِ ایمان، قوانینِ خداوندی اور اصولِ ترقی ہیں مگر سب کے سب برابر کے درجے میں ضروری اور اہم نہیں ہیں کچھ ان میں بہت ہی اہم ہیں جسے فقہ کی اصطلاح میں اوامر کو فرض، واجب اور نواہی کو حرام کہا جاتا ہے۔ کچھ ان سے کم درجے کے اہم ہیں ان کو اوامر میں سنن موکدہ اور نواہی میں مکروہ تحریمی کہتے ہیں۔ بعض امور محض مستحبات و مستحسنات یا مکروہات ہیں (اوامر نہیں ہیں) ان کو مستحب سنت غیر موکدہ یا مکروہ تنزیہی کہتے ہیں اور یہی احکامِ فقہی یا اصولِ ایمان جن سے آج ہم اس قدر غافل ہیں دنیا و آخرت میں حقیقی اور جائز عزت غلبہ اور ترقی دلانے والی چیزیں ہیں۔ اس کے ساتھ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ ہر شعبۂ ایمانیہ کی ضد اور مخالفت سے کفر کے شعبے پیدا ہو جاتے ہیں۔ پس کفر کے بھی ۷۷ شعبے ہیں۔ وہ سب بھی آپس میں برابر درجہ کے ممنوع اور مضر نہیں کوئی کفر عین ہے کوئی کفر جزدی جیسے "من ترک الصلوٰۃ متعمداً فقد کفر"

(۶) یہ ۷۷ اجزائے ایمان سب کے سب ہی ایک مسلمان کے اندر ہونے ضروری ہیں۔ اب مسلمان اپنے اندر غور کریں کہ جس ایمان اور فرمانبرداری خدا اور رسولؐ کا ہم لوگ دعویٰ کرتے ہیں اس کے احکام میں سے کتنی باتیں ہم میں ہیں اور کتنی نہیں ہیں۔ گویا یہ ایک قدِ آدم آئینہ ہے جس سے اپنے ایمانی چہرے کی صحیح حالت ہر مسلمان معلوم کر سکتا ہے۔ قطعہ

یہ چہرۂ مومن کا ہر داغ دکھاتا ہے — اے مومنو! لو دیکھو آئینۂ ایمانی

ہاں سلطنت اور جنّت دو بام ترقی ہیں پہنچائے گا دونوں تک یہ زینۂ ایمانی

اسی سے غیر قوموں کو بھی معلوم ہوسکتا ہے کہ اسلام دراصل ان تفصیلی تعلیمات کا نام ہے جو کس قدر کافی اور کامل ہیں۔ اور چونکہ ہر جزو کے ساتھ قرآن وحدیث کے احکام بھی درج ہیں۔ اس لئے اس شبہہ کی بھی گنجائش نہیں رہ جاتی کہ یہ کسی عام انسان کی عقلی دَوڑ ہے۔ بلکہ اس لحاظ سے کہ محمدِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اور کتابِ آسمانی دراصل تمام تعلیماتِ انبیائے سابق وکتبِ سابقہ کی جامع ہے (چنانچہ قرآن میں قرآن کی توصیف میں "ومھیمناً علیہ" اور "فیھا کتبٌ قیمہ" آیا ہے) اس لئے آپ کی شعبِ ایمانیہ کی یہ تعلیم دراصل تمام ہی ادیان والوں کیلئے ایک قدِ آدم آئینہ ہے جس کے ذریعہ وہ اگر چاہیں تو خود اپنے اصلی مذہب کی صحیح تعلیمات معلوم کرسکتے اور دینِ خدا (اسلام) میں داخل ہوسکتے ہیں۔

(۷) میں نے جہاں تک غور کیا ہے مجھے یقین ہوتا چلا گیا کہ نیکیوں کا کوئی عنوان، برا ور خیر کا کوئی جزو، صالحاتِ اعمال کی کوئی فرد، ضوابطِ زندگی کا کوئی صحیح ضابطہ، اصولِ ترقی وعزت کی کوئی واقعی اصل ان ۷۷ اجزا سے باہر نہیں ہے۔ اہلِ علم وارباب فنون نے اپنے اپنے فنون کے دائرہ میں اپنے اپنے زاویہ ہائے نگاہ سے نیکیوں، اچھائیوں اور حکمتوں کی جو مختلف تعبیریں اپنی مخصوص اصطلاحوں میں کی ہیں مجھے صاف نظر آرہا ہے کہ وہ دراصل انھیں قوانینِ خداوندی اور اجزائے ایمانی کے دوسرے عنوانات اور انھیں مسمیٰ کے نئے نئے اسماء ہیں اور بس ؎

یک چراغیست دریں بزم کہ از پرتوِ آن   ہر کجا می نگری انجمنے ساختہ اند

مثلاً (۱) کتاب و سنت میں بالعموم دو چیزوں کا ذکر آیا ہے۔ اول "ایمان" یعنی وہ چند باتیں جو دل سے ماننے اور یقین رکھنے کی ہیں۔ اسی کو علم بھی کہا گیا ہے۔ دوسری "عملِ صالح" یعنی کاربند ہونیکی باتیں اور احکام۔ ان کو اسلام سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔ تو یہ ایمان و عملِ صالح یا ایمان و اسلام یا علم و عمل بھی دراصل انہیں ۷۷ اجزا کی دینی تعبیریں اور تقسیمیں ہیں چنانچہ فہرستِ اجزائے ایمانیہ میں سے نمبر (۱) سے (۹) تک تو ایمان (یا علم و یقین) سے متعلق ہیں اور نمبر (۱۰) سے (۷۷) تک (۶۸ اجزا) عملِ صالح (یا اسلام و عمل) سے متعلق ہیں۔

(۲) اربابِ تصوف نے اپنے یہاں دو چیزوں کا ذکر کیا ہے۔ اول شریعت جن احکام کا تعلق ظاہر سے ہے۔ دوم طریقت جن احکام کا تعلق باطن سے ہے (اسی کو احسان، سلوک، تصوف بھی کہتے ہیں) غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ یہ دو قسمیں بھی انہیں منتشر اجزا کی ہیں۔ چنانچہ فہرستِ مذکورہ میں سے نمبر (۱) تا (۹) اور نمبر (۳۱) تا (۷۷) (کل ۵۶ اجزا) شریعت سے متعلق ہیں۔ اور نمبر (۱۰) تا (۳۰)، (کل ۲۱ اجزا) طریقت سے متعلق ہیں۔

(۳) اصحابِ فقہ اپنی کتابوں میں دو چیزوں کا ذکر کرتے ہیں۔ اول "اوامر و ماموراتــ وہ باتیں جن کے کرنے کا حکم خدا نے دیا ہے مثلاً فرضِ عین، فرضِ کفایہ" واجب (اس کے علاوہ سننِ موکدہ و غیر موکدہ و مستحب وغیرہ بھی، انہیں ماموراتــ کے ضمن میں سمجھے جاتے ہیں) دوم نواہی و منہیات ــ وہ باتیں جن سے جن سے خدا نے روکا ہے مثلاً حرام، مکروہِ تحریمی (اس کے علاوہ جو مکروہِ تنزیہی اور

خلافِ اولیٰ ہیں وہ منہیات تو نہیں مگر انھیں کے ساتھ شامل ہیں) تو یہ قسمیں بھی انھیں اجزائے ایمانیہ کی ہیں۔ چنانچہ فہرست کے نمبر (۱) تا (۲۴) و (۳۱) تا (۳۶) و (۳۸) تا (۴۷) و (۷۷) کل ۶۸ اجزا اوامر سے متعلق ہیں اور نمبر (۲۵) تا (۳۰) و (۳۷) و (۷۵، ۷۶، ۷۷) نواہی سے متعلق ہیں۔

(۴) اہلِ حکمت اپنے یہاں دو چیزوں کی اہمیت دکھاتے ہیں اوّل حکمتِ نظری یعنی فکر و نظر سے تعلق رکھنے والے علوم و نظریات۔ جیسے علومِ ریاضیہ، طبیعی، فلسفہ، الٰہیات وغیرہ۔ دوم حکمتِ عملی یعنی عمل سے تعلق رکھنے والے نظریات اور فلسفے جیسے تہذیبِ اخلاق، تدبیرِ منزل اور سیاستِ مدن۔ تو غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تعبیریں بھی انھیں اجزائے ایمانیہ کی ہیں۔ چنانچہ فہرست مذکورہ میں نمبر (۱) تا (۳۰) اور (۳۳) حکمتِ نظری و الٰہی و علومِ طبیعی وغیرہ سے متعلق ہیں اور نمبر (۳۱) تا (۷۷) کل ۴۷ اجزا حکمتِ عملی کے اقسام سہ گانہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

(۵)۔ اہلِ لطائف نے فرمایا ہے کہ ذلت اور تباہی سے بچنے کیلئے کچھ باتیں زبان سے کرنے یا نہ کرنے کی ہیں اور کچھ باتیں دل سے کرنے یا نہ کرنے کی ہیں اور کچھ باتیں اعضا سے کرنے یا نہ کرنے کی ہیں۔ غور کیجیے گا تو معلوم ہوگا کہ یہ تعبیریں بھی انھیں ۷۷ اجزا کی ہیں چنانچہ فہرست مذکورہ کے نمبر (۱) تا (۳۰) دل سے متعلق ہیں اور نمبر (۳۱) تا (۳۷) زبان سے متعلق ہیں اور نمبر (۳۸) تا (۷۷) کل ۴۰ اجزا دیگر اعضا سے متعلق ہیں۔

(۶) اربابِ تمدن کا قول ہے کہ انسان پر کچھ حقوق اپنے نفس کے ہیں۔ کچھ حقوق ساری مخلوق کے ہیں اور کچھ حقوق خود خدائے تعالیٰ کے ہیں۔ بہ نظرِ غائر دیکھنے سے صاف سمجھ میں آتا ہے کہ یہ تعبیر اور تقسیم بھی انھیں اجزائے ایمانیہ کی ہے

چنانچہ فہرست مذکورہ کے نمبر (۱) تا (۳۷) تو براہِ راست اللہ تعالیٰ کے حق ہیں اور نمبر (۳۸) تا (۵۳) کل ۱۶ اجزا اللہ کے مقرر کیئے ہوئے نفس کے حقوق ہیں۔ اور نمبر (۵۴) تا (۷۷) کل ۲۴ اجزا ساری مخلوق کے حقوق ہیں جو اللہ کے مقرر کیئے ہوئے ہیں۔

(۷) علماءِ اقتصادیات کہتے ہیں کہ ترقی کیلئے کچھ قوانین انفرادی اور شخصی ہوتے ہیں جن کا فائدہ یا نقصان صرف انھیں افراد ہی تک محدود رہتا ہے۔ اور کچھ قوانین ملّی اور اجتماعی ہوتے ہیں جن کا فائدہ یا نقصان پوری قوم کو پہنچتا ہے۔ فہرست مذکورہ کے نمبر (۱) تا (۳۳) و (۳۵) تا (۳۸) و (۴۱) و (۴۳) تا (۴۵) و (۷۳) و (۷۶) کل ۴۳ اجزا انفرادی و شخصی قوانین ہیں اور نمبر (۳۴، ۳۹، ۴۰، ۴۲، ۴۶ تا ۷۲، ۷۴، ۷۵، ۷۷) کل ۳۴ اجزا ملّی و اجتماعی قوانین ہیں۔

(۸) صاحبانِ ذوقِ سلیم فرماتے ہیں (اور علمی تقسیم یہی ہے) کہ انسان کیلئے ضروری باتیں پانچ قسم کی ہیں اول اعتقادیات دوم رسوم و دیانات سوم معاملات و سیاسیات چہارم آداب و معاشرات پنجم اخلاق و سلوک و مقامات۔ غور کیجیئے گا تو معلوم ہوگا کہ یہ تعبیر اور تقسیم بھی انھیں ۷۷ اجزا کی ہے چنانچہ فہرست مذکورہ کے نمبر (۱) تا (۹) اعتقادیات سے متعلق ہیں اور نمبر (۱۳) تا (۲۴) و (۳۱) تا (۳۶) و (۳۸) تا (۵۰) و (۶۳، ۶۴) و (۶۶) کل ۳۴ اجزا رسوم و دیانات سے متعلق ہیں۔ نمبر (۶۸) تا (۷۷) کل ۱۰ اجزا آداب و معاشرات سے اور نمبر (۱۰) تا (۱۲) و (۲۵) تا (۳۰) و (۳۷) کل ۱۰ اجزاء اخلاق و معاشرات سے۔ اور نمبر (۵۱) تا (۶۲) و (۶۵) و (۶۷) کل ۱۴ اجزا معاملات و سیاسیات سے متعلق ہیں۔

(۹) ان ستتر شعبوں میں ابتدا کے بارہ ۱۲ شعبے اجزائے ایمان ہیں۔ پھر درمیان کے

چند پانچ شعبے بنیادِ اسلام کے ہیں نیز اتنے ہی شعبے لوازمِ اسلام کے ہیں۔ بچیس ۲۵ یا بائیس ۲۲ شعبے مسلمان کے ساتھ مخصوص ہیں باقی شعبے کافر و مسلم دونوں میں مشترک ہیں۔

فصل ۸۔ یورپ کے اصول اور ان کا موازنہ اسلامی اصول سے

یورپ کی قومیں آج دو تین صدیوں سے دنیوی ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہیں۔ ان مادی ترقیوں کے ساتھ حسنِ اتفاق سے ان میں حسنِ ظاہر بھی جو نظر آیا تو ہم ہندوستانیوں کی نگاہِ ظاہر بھی خیرہ ہوگئی اور نگاہِ باطن بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ آفتاب مغرب سے نکلا تو جسم و جان ہی کیا دین و ایمان کی بھی خبر نہیں۔ آج کچھ لوگ ان کی مادی ترقیوں کو دیکھ دیکھ کر للچا رہے ہیں اور حصولِ ترقی کی دیوانگی میں یا محض مرعوبیت اور غلامی کے اثر سے انھوں نے ان چیزوں کو اصولِ ترقی سمجھ رکھا ہے۔ سینما دیکھنا، کوٹ پتلون پہننا، داڑھی مونچھیں منڈانا، عورتوں کو بے پردہ کرنا، ان کو کالجوں میں تعلیم دلانا اور دفتروں میں نوکر کرانا، سود لینا، کھڑے ہو کر پیشاب کرنا وغیرہ۔ اور انھی کی نقل شروع کر دی ہے۔ اصل یہ ہے کہ ان امور کو ذریعۂ ترقی سمجھنا خود اپنے بیگانۂ خرد ہونے کا اعلان کرنا ہے۔ یورپ کی قوموں نے اگر ترقی کی تو ان باتوں کے ذریعہ نہیں کی بلکہ اُن کی ترقی کے اسباب و علل، اصول و وجوہ کچھ اور ہیں۔ یہ باتیں تو ترقی پا چکنے کے بعد کی تفریحیں ہیں۔ یا بادۂ ترقی کا خمار اور بدمستیاں ہیں۔ حصولِ ترقی کے جنون میں انھیں تفریحوں یا بدمستیوں کو ذرائع و اسبابِ ترقی جان لینا اور پھر ان کو اختیار کر بیٹھنا بالکل ویسا ہی ہے جیسے کسی گدھے نے شیر کو بارعب و مہیب دیکھ کر خود بھی مہیب بننے کے خبط میں شیر کی کھال پہن لی تھی!

آؤ ہم پہلے پوری دیانت اور انصاف سے یورپ کی ترقی کے اصل اسباب و علل تلاش کریں پھر اپنے پیارے رسول ﷺ کی تعلیمات پر نظر ڈالیں اور دونوں کا موازنہ کریں کہ دیکھ پایا

اور بلند ترین ترقی کے صحیح اسباب کون سے ہیں۔ تو ہم نے جہاں تک غور کیا ہم کو اُن کی ترقی کے اسباب یہ معلوم ہوئے :- (۱) وہ لوگ وقت کی قدر پہچانتے ہیں اس کو بیکار نہیں گنواتے۔ آج کا کام کل پر نہیں ٹالتے۔ وہ وقت کو دولت جانتے ہیں۔ (۲) وہ لوگ لباس اور مکان سے لیکر اشیاءِ تجارت تک کی ہر چیز میں صفائی ستھرائی اور نفاست کا بڑا لحاظ رکھتے ہیں (۳) وہ لوگ گفتگو کرنے میں اور لین دین کرنے میں سچائی کا زیادہ سے زیادہ لحاظ رکھتے اور قومی و شخصی رفتار کا کافی پاس کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ ہم ہندوستانیوں کو خود اپنی قوم اور اپنے ملک والوں کا اتنا اعتبار نہیں ہوتا جتنا ان کا ہوتا ہے۔ (۴) وہ لوگ حفظانِ صحت کا اہتمام کھانے پینے کی احتیاطوں سے لیکر ورزش جسمانی اور کھیل وغیرہ تک کے ذریعہ ہر عمر اور ہر طبقہ میں برابر کرتے رہتے ہیں (۵) ان لوگوں نے مختلف علوم کو اور خصوصاً علومِ ریاضیہ، کیمیا و طبعی، جراحت و معالجہ کو بہت سہل کر دیا اور علمی و عملی حیثیت سے ان کو ترقی دیکر عام کر دیا۔ (۶) تجارت کی دھن تو گویا ان کی گھٹی میں پڑی ہے۔ اسی کے ذریعہ انھوں نے سلطنتیں پائیں اور بعض جگہہ تو ان کی عدالتوں میں انصاف کچھ قیمت دینے کے بعد ہی ملتا ہے۔ (۷) سیاحتِ عالم کا شوق، حصولِ تجربہ کا ولولہ، مہمات میں اقدام کا جوش ان میں بہت ہے جو ساحلِ بحر پر رہنے کی وجہ سے ان کو آسان بھی ہے۔ (۸) امارت اور اطاعت (جماعتی نظم اور ڈسپلن) ان کی زندگی کا جزوِ لازم ہے۔ یہاں تک کہ اپنی سیاحتوں میں، کھیلوں میں، کاروبار میں اجتماعوں میں، کمیٹیوں میں وہ لوگ اپنا ایک کپتان، پریسیڈنٹ وغیرہ ضرور مقرر کرتے اور خود ان کے احکام کی تعمیل بخوشی کرتے ہیں۔ (۹) وہ لوگ اپنے فرائضِ منصب اور کارِ خدمت کو پوری توجہ اور دیانت سے بجا لاتے ہیں اور اسمیں سہل انکاری کو خود اپنے لیے

مضر جانتے ہیں۔ (۱۰) وہ لوگ شخصی اور قومی راز اور قومی عزت ووقار کا پورا احترام کرتے ہیں اور کسی طرح قومی وقار اور اجتماعی وزن کو نقصان نہیں پہنچنے دیتے۔ وہ قومی غداری اور قوم فروشی کو بدترین اور شرمناک ترین گناہ سمجھتے ہیں۔ (۱۱) وہ توہمات کو بے بنیاد مانتے اور بدفال اور بدشگون کو لغو جانتے ہیں۔ ان چیزوں کو وقارِ انسانیت کیلئے اہانت تصور کرتے ہیں۔ (۱۲) انھوں نے اپنی نصف قوم (عورتوں) کو بیکار اور جاہل نہیں ہونے دیا۔ ان کو ان کے حقوق دئیے۔ تعلیم دی۔ اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا سکھایا۔ ان کے یہاں لڑکی، بیوی، ماں، بہن کا جو کچھ بھی حق ہے اسکو تلف اور نظرانداز نہیں کیا جاسکتا (۱۳) ان میں ہر بالغ شخص کسب ومشقت کو عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اپنا ذاتی خرچ اور اپنا نکاح کرنے کا اور اہل وعیال کا خرچ خود برداشت کرتا ہے۔ والدین یا خاندان پر بار نہیں بنتا۔ محنت سے روزی کماتے ہیں۔ ان کو صنعت کا بڑا شوق ہے (۱۴) وہ لوگ ہمت اور بہادری سے کام لیتے ہیں محنت سے نہیں تھکتے اور موت سے نہیں ڈرتے۔ (۱۵) وہ اکثر تو وعدہ کرتے نہیں مگر جب کرتے ہیں تو پھر اس کی ذمہ داری بھی اپنے اوپر سمجھتے ہیں اکثر عہد وپیمان کا احترام والیفا ان کی خصوصیت ہے۔ (۱۶) وہ لوگ قانون کا احترام کرتے ہیں اور حتی الامکان سزا یا جزا دینے میں ضمیر اور انصاف کے خلاف نہیں کرتے اور اکثر باطل ترغیبات سے بچتے ہیں۔ (۱۷) وہ لوگ قوم وملت کیلئے ایثار وقربانی سے کام لیکر قومی فنڈ جمع کرتے ہیں۔ رفاہ عام کے تمام کام مثلاً شفاخانے، مدرسے، یتیم خانے، مسافر خانے، صحت گاہیں، تفریح گاہیں خودغرضی سے بالاتر ہو کر پوری فیاضی سے بناتے ہیں اور محدود مفاد کو قومی مفاد پر قربان کر دیتے ہیں۔ (۱۸) وہ لوگ انفرادی اور قومی قوت کو زمانہ کے موافق زیادہ سے

زیادہ حاصل کرتے ہیں اور قومی استحکام کیلئے ہر قسم کے آلاتِ حرب تیار کرتے ہیں (۱۹) وہ لوگ جنگ میں، مصیبتوں میں، تنگدستی یا دیگر دشواریوں میں صبر و استقلال سے کام لیتے ہیں (۲۰) وہ لوگ سلطنت کے کاموں میں یا ذاتی اور قومی کاموں میں عموماً حلم و تحمل حکمتِ عملی و دانائی، نرمی و دور اندیشی سے کام لیتے ہیں۔ (۲۱) وہ لوگ اپنے مقاصد کیلئے باہم یکجہتی اور اتفاق سے کام کرتے ہیں اور اتفاق پیدا کرنے کیلئے تواضع اور اپنی رائے کو بخوشی واپس لے لینا۔ دوسرے کی بات مان لینا اور ہمقوم حریف کا بھی وقار و اکرام کرنا اپنا شعار بنائے ہوئے ہیں۔ (۲۲) وہ خاندانی یا مذہبی گروہ بندی اور تحزّب و تعصب سے بیشتر کام نہیں لیتے۔

یہ ہیں یوروپی قوموں کی ترقی کے اسباب۔ اگرچہ ان اصولوں پر ان اقوام کا عمل واجبی ہی واجبی ہے کیونکہ اوّل تو ان کے اکثر افراد ان اصولوں کے خلاف بھی برابر عمل کرتے ہیں۔ اب یہ صرف قومی اور اجتماعی اقبال و ترقی کے برکات ہیں کہ افراد کی خامیاں اور کوتاہیاں دبی دبی رہتی ہیں۔ ابھر کر نمایاں ہونے اور قوم کیلئے زہر دبا نہیں بننے پاتیں۔ دوسرے ان قوموں کو ان زریں اصولوں کا صرف بحث و اتفاق سے علم ہو گیا ہے اور یہ ان پر بے لگام ہو کر عمل پیرا ہونے لگے ہیں۔ چنانچہ بعض مذکورہ امور میں ان کی بے اعتدالی اور بے لگامی ظاہر ہے۔ ان کو ہر نفسیاتی دقیق پہلو کی وہ رعایت اور افراط و تفریط کے درمیان وہ نقطۂ عدل کہاں نصیب جو صرف خدا کی تعلیم اور نبی کے عمل ہی کا خاصہ ہو سکتا ہے۔ تیسرے ان قوموں کے یہاں ان اصولِ مذکورہ پر عمل کرنے کے لئے چند شرائط بھی ہیں۔ (۱) یہ کہ ان اصولوں پر عمل کرنے سے چاہے دوسروں کی حق تلفی ہو جائے مگر خود ان کے مفادِ ملی اور وطنی کو کسی طرح ادنیٰ صدمہ بھی نہ پہنچنے پائے

ورنہ پھر ان کے سارے اصول دھرے رہ جاتے ہیں۔ دوسرے(۲) یہ کہ کوئی دوسری خصوصاً سیاہ قوم اجتماعی حیثیت سے کسی طرح ان کے دوش بدوش نہ آسکے۔ وہ انصاف و مساوات کا ڈھول پیٹیں گے مگر اس سے صرف اپنی ہی قوم کو فائدہ پہنچانا مقصود ہوگا۔ وہ مفید اور ترقی دلانے والی تعلیم اور تربیت دیں گے تو صرف اپنی قوم کو۔ دوسری قوم کو تعلیم دینے سے ان کی غرض صرف یہ ہوگی کہ ان کے اشاروں پر ان کی مشینِ حکومت چلانے کیلئے اچھے پرزے بن سکیں۔ وہ حضرت مسیحؑ کو اپنا پیشوا کہیں گے اور ان کی یہ تعلیم ہر جگہ پھیلانے کی کوشش کریں گے کہ "اگر کوئی تمھارے ایک گال پر طمانچہ مارے تو تم دوسرا گال بھی پیش کردو" مگر خود دوسرے ممالک اور دوسروں کی املاک ظلماً و جبراً ہضم کر لینے میں زرا بھی باک نہ کریں گے۔ وہ کسی شہر میں رہیں گے تو وہاں کے باشندوں سے نفرت و حقارت کا برتاؤ کرنے کیلئے اپنی سول لائن الگ بسائیں گے وہ کسی قوم سے معاہدہ اور پیمان کریں گے تو جب ان کا جی چاہے گا اُسے توڑ بھی دینگے اور پھر اس پر فخر بھی کریں گے۔ (۳) وہ مذہب کو ایک زائد شے اور ترقی کا مخالف اور اس کی راہ میں حائل سمجھتے ہیں۔ اس لئے اس سے بیزار ہیں۔ حالانکہ مذہب آسمانی تو کبھی ترقی کا مخالف نہیں ہو سکتا۔ بلکہ جیسا پچھلی فصلوں میں آچکا ہے۔ مذہب تو خود ہی ہر قسم کی ترقی کا ضامن بلکہ بنیاد ہے۔ اصل یہ ہے کہ اہلِ یورپ کے پاس مذہب کے نام سے جو چیز تھی وہ آسمانی مذہب کی بگڑی اور بگاڑی ہوئی چیز بھی وہ آسمانی نہیں انسانی مذہب تھا۔ اس میں ترقی دلانے کی صلاحیت نہ تھی اور اس کو مخالفِ ترقی اور جھگڑے کا گھر ہونا بھی چاہیے تھا۔ اس سے یقیناً تسکین قلب اور امنِ عالم حاصل ہونے کی بجائے وحشت و نفرت پیدا اور حاصل ہوتی تھی۔ اس لئے

اہلِ یورپ اس انسانی مذہب سے بیزار تھے ۔ یاد رکھنا چاہئے کہ ان کی مذہب سے بیزاری دراصل آسمانی مذہب کے مقابلہ میں نہ تھی ۔ اس لئے اب اس سے یہ عام نتیجہ نکالنا کہ مذہب یعنی مذہبِ آسمانی بھی فی الواقع مخالفِ ترقی ہے غلط ہے ۔

بہرحال ایسی نفسانیت کی آمیزش ہونے پر بظاہر اہلِ یورپ کو ان اصولوں پر عمل کرنے سے ترقیاں نہیں ملنی چاہئے تھیں ۔ لیکن انھوں نے ایک بڑی حد تک اپنے ان نقائص و نفسانیت کی تلافی اپنے دو بنیادی اصولوں سے کرلی جو گویا بمنزلہ ان کے معتقداتِ ملّی کے ہیں کہ ان کی ساری انفرادی اور قومی زندگی انھیں دو محوروں پر گردش کر رہی ہے ۔ اولاً جیسا گزرا وطنی، قومی اور ملّی مفاد ان کا ایمان ان کا نصب العین ہے ۔ پس ان کا نظریہ اس بارہ میں یہ ہے کہ ذاتی اور محدود مفادوں کو اس راہ میں لازماً قربان کر دینا چاہئے اس کا نام ان کے یہاں افادیت Utilitarianism ہے ۔ یعنی زیادہ سے زیادہ افراد کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچانا (مسلمانوں میں جب ترقی کے اصولوں کی پابندی ہوتی تھی اس وقت ان کے یہاں یہی چیز ایثار، جہاد بالمال، انفاق فی الحق، قرضِ حسن تھا اور یہ امور افراد سے نہیں بلکہ پوری قوم کے کیرکٹر تھے) ثانیاً ان کو کامل یقین اور اذعان ہے کہ ان کا مذکورہ نصب العین صحیح ہے اور یقیناً ان کو اس سے کامیابی، ترقی اور سربلندی مل رہے گی ۔ (مسلمان جب ترقی پذیر تھے تو ان کے یہاں یہ چیز ایمان، احتساب، حصولِ ثواب کی زیادہ سے زیادہ خواہش، خیرات میں مسابقت وغیرہ کے نام سے تھی)

یہ دونوں عقیدے اہلِ یورپ کے ملّی عقیدے ہیں اور جس فرد کا یہ عملی عقیدہ نہ ہو اس کو وہ اپنی سوسائٹی کی شریعت کا کافر جانتے ہیں ۔ یہی دو عقیدے یا نصب العین ہیں

جوان کو زندہ اور تابندہ بنائے اور ان کے دلوں کو گرمائے ہوئے ہیں۔ انھیں سے
وہ بامِ ترقی پر پہنچے ہیں۔ اب یہ دوسری بات ہے کہ نفسانیت، حسد اور ظلم وغیرہ کی
آمیزش کے باعث ان کی کوششوں کا نتیجہ اللہ کے الفاظ اور دستور میں عذاب اور اقبال
کے الفاظ میں یہ ہو رہا ہے کہ

تمھاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائدار ہوگا

تاہم آج وہ قومیں جیسی کچھ غالب ترقی یافتہ، طاقت ور اور مالدار ہیں ظاہر ہے
حتیٰ کہ بعض گمراہ اور گمراہ کن مشرقیوں نے تو ان کی انھیں دنیوی اور مادی ترقیوں کو
دیکھ کر (جس کے ساتھ نہ تو خدا و رسول و قیامت پر ایمان اور قلبی عقیدہ ہے نہ بنیاد اسلام
کے اعمال کلمہ، نماز، روزہ، زکات و حج ہیں بلکہ صریح کفر اور اسلام سے عناد ہے) ان کو
وعدۂ "انتم الاعلون ان کنتم مومنین" کا مصداق بھی سمجھ لیا۔ ان کو برسرِ حکومت
دیکھ کر ان کو "ان الارض یرثہا عبادی الصالحون" کے مطابق خدا کے صالح ترین
بندے بھی مان لیا۔ ان کو مسجودِ ملائکہ، محبوبِ خدا اور غرضِ آفرینشِ عالم وغیرہ
کہنا بھی شروع کر دیا۔ خیر خود ان لوگوں سے تو میں خطاب بھی نہیں کرنا چاہتا۔ اسی لیے
کہ ان کی ان تعبیروں کا منشا میرے خیال میں خطا نہیں تحریف و تلبیس ہے۔ میں تو صرف
خالی الذہن مسلمان اور ناواقف مغرب زدہ لوگوں کی اطلاع کیلئے لکھتا ہوں کہ اسلامِ
اقراری اور اسلامِ انکاری کا فرق پیشِ نظر رکھ کر یاد رکھیں اور یقین کریں کہ کفار
بھی بعض قوانینِ خداوندی پر عمل کر کے ترقی کر سکتے ہیں اس لئے کہ ترقی اور عزت
دلانے کیلئے سوا خداوندی قوانین کے اور کوئی قاعدہ قانون اس آسمان کے نیچے موجود
نہ لیکن آج ہم پوری دیانت کے ساتھ بتانا چاہتے ہیں کہ یہ تمام اصولِ ترقی اور اسبابِ عزت

وفلاح مع شئ زائد در اصل اسلام کی حقیقی تعلیمات میں موجود ہیں اور ایسے دقیق پہلوؤں کی رعایت کے ساتھ موجود ہیں جو صرف خدا کی بنائی اور انبیاؑ کی بتائی ہوئی تعلیم ہی میں مل سکتی ہے۔ اگر تم کو بھی واقعی ترقی کا شوق ہے تو ان تعلیمات کو دیکھو۔ ان کامل اصولوں کی پیروی کرو، ناقص اصولوں پر کیوں چلو؟ کامل قوموں کی پیروی کرو، ناقص افراد واقوام کی پیروی کیوں کرو؟ جب اقتدا و اتباع سے چارہ نہیں تو ملکوت کا اتباع کیوں نہیں کرتے، معلّم الملکوت کی طرف کیوں جھکتے ہو؟ انبیا و ملکوت ہی کی پیروی سے تمھیں ترقی دنیوی بھی مل سکتی ہے اور ترقی اخروی بھی۔ ثواب الدنیا بھی یقیناً ملےگا اور ثواب الآخرۃ بھی۔ خلائق میں بھی عزت اور سربلندی پاؤگے اور خالق کی نظر میں بھی سرخرو بن سکوگے۔ "وذالک ہو الفوز العظیم" یہی اصل ترقی ہے۔ اسی کی طرف انبیا بلاتے رہے ہیں۔ "حیّ علی الفلاح" یعنی فلاح و کامیابی کی طرف آؤ، کی پنجوقتہ پکار ہر جگہ عام ہے۔

ذیل میں ہم اہلِ یورپ کے معمولہ و مسلمہ اصولِ ترقی کی فہرست لکھ کر ان کے سامنے فروعِ ایمانیہ یا تعلیماتِ رسول کی اس فہرست کا نمبر لکھتے ہیں جو فصل ۱۰ میں آگے آ رہی ہے:۔

۱۔ وقت کی قدر اور جذبۂ عمل۔ دیکھو نمبر	۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹ و ۶۹
۲۔ صفائی اور نفاست	″ ۳۸
۳۔ سچائی و صداقت	″ ۳۷، ۵۳
۴۔ ورزش و حفظانِ صحت	″ ۳۸، ۳۹، ۴۱، و ۷۶
۵۔ علم اور سائنس کی اشاعتِ عمومی	″ ۳۳، ۳۴
۶۔ تجارت	″ ۵۲
۷۔ سیاحت و حصولِ تجربات	″ ۳۳، ۴۴
۸۔ امامت و لیڈرشپ دیکھو نمبر	۶۱، ۶۲
۹۔ قومی و شخصی رازوں کی حفاظت	″ ۶۸
۱۰۔ توہمات کو نہ ماننا	″ ۱، ۳۳
۱۱۔ عورتوں کو حقوق دینا	″ ۵۴، ۵۵، ۶۰
۱۲۔ کسب کا احترام و اہتمام	″ ۵۲
۱۳۔ اطاعت و فرض شناسی	″ ۵۹، ۶۸
۱۴۔ شجاعت اور موت سے نہ ڈرنا	″ ۱، ۱۰، ۶، ۷

Scanned with CamScanner

۱۵- وعدہ کی ذمہ داری والیفا دیکھو نمبر ۱۹
۱۶- قانون کا احترام اور اجرائے سزا 〃 ۶۶
۱۷- ایثار اور قومی فنڈ 〃 ۴۰، ۴۷، ۴۸، ۶۴، ۶
۱۸- قوت و استحکام کا حصول 〃 ۶۷، ۷۶ (۷۲، ۷۵)
۱۹- ہمت و استقلال 〃 ۱۶، ۲۰
۲۰- حکمت و دور اندیشی 〃 ۲۰، ۲۸
۲۱- اتحاد و اتفاق دیکھو نمبر ۱۲، ۳۹، ۵۸، ۶۱
۲۲- صنعت و حرفت کا شوق 〃 ۵۲
۲۳- بے تعصبی و رواداری 〃 ۴۸، ۵۴، ۷۰، ۷۱
۲۴- رفاہِ عام کے کام 〃 ۴۰، ۴۸، ۵۴، ۷۴، ۷۲
۲۵- صفائی معاملہ 〃 ۳۷، ۵۲، ۷۱
۲۶- صبر و تحمل 〃 ۲۰، ۲۸

اب ذرا غور و انصاف سے آج کے اصولوں کو فصل ۱۰ کے فروعِ ایمانیہ کی روشنی میں دیکھئے اور دل کھول کر حیرت اور حسرت کیجئے کہ یہ تمام اصول آپ ہی کے گھر کے خزانے ہیں جنھیں آپ کی غفلت اور سستی کے زمانہ میں یورپ کی سفید قومیں نیز ہند کی سیاہ قوم چرالے گئیں اور ان اصولوں پر اپنے اپنے نقطۂ نظر سے عمل پیرا ہو کر فائدے پا رہی اور کوسِ "انا ولا غیری" بجا رہی ہیں۔ آپ نے اندلس و ہند، ایران اور یورپ کے حسن اور دولت پر ریجھ کر اور ان کافر اقوام میں جذب ہو کر اسلام کے اصولوں کو چھوڑا تو ان قوموں نے اپنی اپنی توفیق اور ہمت کے مطابق انھیں اصولوں کو اختیار کر لیا۔ ع
میں ہوا کافر تو وہ کافر مسلماں ہو گیا۔ اگرچہ اس امر کے اظہار اور اقرار میں دل دکھتا ہے مگر کیا کیا جائے کہ واقعہ کچھ یونہی ہے کہ "اسلام کے بعض زریں اصولوں پر مسلمانوں سے زیادہ اس وقت کافر اقوام عمل کر رہی ہیں اور "ثواب الدنیا" پا رہی ہیں۔

چند شبہات اور ان کا ازالہ (۱) بہت ممکن ہے کہ ترقیِ فرنگ کے ان اصولوں کو انھیں ناموں، انھیں آجکل کے مفہوموں اور شکلوں کے ساتھ فروعِ ایمانیہ کی فہرست میں نہ پا کر آپ پریشان ہوں تو عرض ہے کہ ذیل کی دو باتوں کا بھی لحاظ ضرور رکھیں: (الف) زمانہ کے گذرنے کے ساتھ الفاظ اپنے مفاہیم میں وسیع اور تنگ ہوتے

رہتے ہیں۔ فلسفۂ لغت کا یہ ایک بہت بڑا راز ہے کہ جس لفظ سے کسی زمانہ میں وسیع معانی و مفاہیم سمجھے جاتے تھے دوسرے زمانہ میں اسی سے کم معانی سمجھے جاتے ہیں۔ مثلاً طہارت کے لفظ کو دیکھئے اس سے کسی زمانہ میں اخلاق کی پاکیزگی، لباس میں صفائی، جسم کا مختلف گندگیوں سے بہت پاک ہونا وغیرہ سب کچھ مراد ہوتا تھا اور آنحضرت صلعم نے طہارت کو جو نصف ایمان یا شطر ایمان فرمایا ہے تو اس کی اسی وسعت کی بنا پر فرمایا ہے مگر آج اس لفظ سے صرف بول و براز کے بعد کی پاکی مراد ہوتی ہے اور بس۔ اسی طرح "امانت" ایک وسیع مفہوم رکھنے والا لفظ تھا۔ مال، راز، مشورے، خیر خواہی وغیرہ سب کو اسکی وسعت حاوی تھی۔ مگر آج اس سے صرف مال کے متعلق بد نیتی سے بچنا مراد ہوتا ہے۔ غور کیجئے اگر آپ کو آج کے ناموں والے اصولِ ترقی، فروعِ ایمانیہ میں نہیں ملتے تو کہیں اسکی وجہ یہ نہو!! (ب) دوسری بات یہ ہے کہ تمام ابواب البر، تمام قوانینِ فلاح و ترقی، تمام ضوابطِ زندگی کو صرف ۷۷ شعبوں میں سمونا سمندر کو کوزے میں بھرنا ہے۔ اور ایمان کی بات ہے کہ یہ صرف رسول صلعم ہی کا کام ہو سکتا تھا۔ پس ان میں کا ہر ایک شعبہ بجائے خود بیشمار شعبوں اور جزئی باتوں کو حاوی ہے پھر ہر ایک جزئی معاملہ میں آنحضرت صلعم کی مکمل تعلیمات موجود ہیں مثلاً ایک شعبہ "صدقِ معاملہ" ہے۔ اس شعبہ میں پچاسوں جزئیات ہیں اور ہر جزئی کے بارہ میں اسلام کی تعلیم ہے۔ میں نے حتی الامکان تو اسکی کوشش کی ہے بعض شعبے کے نام اور عنوانات میں ایک آدھ لفظ کی تغییر و تبدیل کر کے ان کو آجکل کے مفاہیم سے زیادہ سے زیادہ قریب کر دیا ہے اور ہر شعبہ کے تحت میں ایسی ایک یا چند احادیث جامع قسم کی درج کی ہیں جو مشہور اور میری دسترس میں تھیں۔

(۲) ممکن ہے کہ آپ یہ سن کر چونکیں کہ "یورپ کی ترقی در اصل اسلامی اور خدائی

قوانینِ ترقی ہی کی ناقص اور نادانستہ پیروی کی رہینِ منت ہے" اور اس پر کہیں یہ نہ کہنے لگیں کہ اس شخص کی یہ انتہائی "احساسِ کمتری" کی حرکت ہے کہ آج کی ترقی یافتہ قوموں کی خوبیوں کو خواہ مخواہ توڑ مروڑ کر اپنے دین کی تعلیمات میں دکھانے کی کوشش کر رہا ہے۔ جواباً بادب عرض ہے کہ یہ شبہہ اور یہ الزام پیدا صرف اسی دماغ میں ہو سکتا ہے جو ایک طرف یورپ سے مرعوب اور ان کی برتری کا معترف ہو اور دوسری طرف حقیقی اسلام سے ناواقف اور اس سے عملاً اور علماً اور ذہناً ہر طرح منحرف ہو ورنہ جواب آسان ہے (الف) خیر آج قومی اور بائیو چہ سے میرا دعویٰ بے وزن اور بے دلیل اور میری یہ کوشش "احساس کمتری" کی حرکت سہی۔ مگر جن لوگوں نے براہِ راست رسول سے ان فروعِ ایمانیہ کی تعلیم پائی تھی کیا انھوں نے اعلیٰ سے اعلیٰ ترقی، فلاح، عزت، حکومت وغیرہ نہیں پائی تھی۔ دنیا جانتی ہے کہ ریگستان کے غیر مہذب انھیں فروعِ ایمانیہ کے علم و عمل سے ہر متمدن قوم سے بڑھ چڑھ کر نکلے۔ ہر مرتب سے مرتب اور مسلح سے مسلح لشکر پر غالب آئے ہر مستحکم قلعہ ہر بڑی حکومت ہر کھلے دشمن کو انھوں نے زیر کیا۔ ہر ملک کے امام اور پیشوائے تہذیب بنکر رہے ہر شعبۂ زندگی میں ساری دنیا کے استاد ثابت ہوئے ع کبھی کسی سے نہ وہ دب کے بانکپن میں رہے۔ کیا میرے مذکورہ بالا دعوے کی دلیل اور آفتاب سے زیادہ روشن دلیل، تاریخ کے یہ ناقابلِ انکار واقعات نہیں بن سکتے ہ (ب) یورپ غریب کو تو خود اقرار ہے کہ وہ جاہلیت یا قرونِ مظلمہ کے حال ہی میں نکلا ہے اور مسلمانوں ہی کی تہذیب اور ترقی کی نقل واستفادہ کرکے نکلا ہے پھر مدگی کی اس سستی پر آپ خواہ مخواہ ان کے چیت گواہ کیوں بنیں۔ (ج) ہاں مسلمانوں نے بھی بعض دنیوی علوم میں یا بعض دنیوی امور میں دیگر اقوامِ سابقہ کی تہذیب و ترقی سے

فائدہ اٹھایا ہے مگر بڑا فرق ہے ان دونوں نقل واستفادہ میں۔یورپ نے جو مسلمانوں سے نقل واستفادہ کیا تو بیشتر تو اس اخذ واستفادہ کا انکار کیا۔اپنی استاد اور محسن قوم کی خوبی، برتری، نیکنامی کو مٹانے اور فنا کرنے کی کوشش کی لیکن مسلمانوں نے جو دوسروں سے اخذ واستفادہ کیا تو اپنی استاد یا محسن قوم یا بزرگان کے نامِ نیک کو ضایع کرنے کی ادنیٰ کوشش بھی انھوں نے نہیں کی۔ (د) چونکہ یہ اخذ واستفادہ کا سلسلہ ختم ہوتا ہے انبیا علیہم السلام کی تعلیمات پر اور سب سے آخر میں بالکل پہلے انسان علیہ السلام پیغمبر تھے اس لئے مسلمان ہر صحیح علم وعمدہ تہذیب وغیرہ کا جائز حقدار اور اصلی وارث ہو سکتا ہے کیونکہ وہ صحیح علم وحکمت کی باتیں کسی نہ کسی نبی ہی نے دنیا میں بتائی اور پھیلائی ہونگی۔چنانچہ حدیث میں وارد ہے کہ "الحکمۃ ضالۃ المومن یعنی سمجھ کی باتیں مومن کی ملک اور چیز ہے جو اس سے گم ہو گئی ہے۔پس جہاں ایسی چیز پائے چاہئے کہ لے لے" اس لئے خوب سمجھ لینا چاہئے کہ صرف مسلمان کو تو یہ کہنے کا حق ہے کہ دنیا میں خوبیوں کا معلم اور سب سے پہلا معلم ایک مذہبی انسان اور مسلمان تھا۔کسی کافر قوم کو البتہ اس کا حق نہیں پہنچتا۔

(ہ) آنحضرتؐ کی ولادت اور بعثت سے قبل نہ صرف عرب بلکہ دنیا کے ہر خطہ میں جہل، پستی، وحشت وغیرہ کی جو کچھ حالت تھی اس کو پیش نظر رکھ کر اک ذرا غور وانصاف سے بتائیے کہ اگر بالفرض دنیا میں آنحضرتؐ کی تشریف آوری کا واقعہ نہ ہوا ہوتا تو قبلِ رسول کی دنیا کو اسی رفتار سے چل کر آج کس جگہہ پر پہنچنا چاہئے تھا اور آج اس کا رخ کس طرف ہونا چاہئے تھا۔تہذیب، علم اور روشنی کی طرف یا وحشت جہل اور تاریکی کی طرف؟ یقیناً زیادہ جہل وتاریکی طرف دنیا کو جانا

چاہیئے تھا لیکن دنیا میں آج جو ہر گوشہ میں علم، تہذیب، روشنی، ترقی، باقاعدگی، امن و مساوات کا آفتاب چمکتا نظر آتا ہے کیا یہ سب رسولؐ کی تشریف آوری اور ہدایت فرمائی کے علاوہ کسی اور سبب سے ہوا ہے؟ دنیا احسان فراموش ہے۔ اس کو رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی شاگرد اور رہینِ منت ہونیکا اعتراف کرنے میں عار ہو تو ہو مگر دیانت اور انصاف کو فیصلہ یہی کرنا پڑے گا کہ آج یورپ کی بلکہ سارے عالم کی یہ ساری روشنی یہ ساری ترقی، یہ ساری تہذیب اسی معلمِ اعظم ہادی عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات کی شرمندۂ احسان ہے۔

فصل ۹۔ آج کے مسلمانوں کی بیماریاں اور مشورہ:۔ اگرچہ گزشتہ بحثوں کے بعد اس فصل کے متعلق ضرورت نہ تھی۔ مگر شاید مسلمان اب بھی صاف طور پر اپنی بیماریوں اور پستیوں کے صحیح اسباب نہ سمجھ سکے ہوں۔ اس لئے اس توقع پر کہ شاید ہمارے بھائیوں کو تفصیل سے اپنی بیماریوں کے جاننے کی حاجت اور اس کے بعد کچھ عبرت ہو۔ پھر ان کے اندر ان کے ازالہ کا عزم پیدا ہو۔ میں انکی دکھتی ہوئی رگیں پکڑ کر دکھلاتا ہوں۔

ان کی اصل بیماری تو سنتِ رسولؐ (یعنی اسلام) کو پسِ پشت ڈالنا۔ اس کو بے قدر اور بیکار سمجھنا اور اس کے مقابلہ میں اسلام کے دعوے کے ساتھ فرنگ اور ہند کی کافر اقوام کے طریقوں کا پسند کرنا اور ان کی نقل پر حریص ہونا ہے۔ اسلام کے دعوے کے ساتھ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہیں۔ اسلام کو چھوڑ کر تو ان کو ہر معمولی طریقہ سے بھی ترقی مل سکتی ہے۔ کیونکہ حق تعالیٰ کا دستور ترقی دنیاوی کے بارہ میں یہ ہے کہ اگر مسلمان ہو اور اطاعت و فرمانبرداری کرے تو اس کیلئے

یہ ترقیاں بھی موعود ہیں جنت بھی یقینی ہے۔ اور اگر فرمانبرداری نہ کریگا تو پھر وعدہ کی جگہ وعید اور تہدید، عذاب اور عقاب اسی دنیا میں دیکھے گا۔ لیکن اگر کوئی کافر قوانین خداوندی میں سے دو چار پر بھی (بلا ایمان) عمل کریگا تو اس کو اتنے ہی پر حسب ترقیاں ملجائیں گی تاکہ آخرت میں اس کا کچھ حصہ نہ رہ جائے۔ پس اسلام کے پیرو بن کر دوسروں کا طریقہ اختیار کر لینے سے ہرگز ہرگز مسلمان ترقی نہیں کر سکتا۔ آج کا مسلمان پست اس لئے ہے کہ مسلمانوں میں اللہ تعالیٰ نے نقلِ اغیار اور ترکِ سنت کا مرض دیکھ کر اپنی رحمت و خبر گیری، اعانت و کارسازی، نصرت و سکینہ کی ساری مہربانیاں ان سے روک لیں۔ ان کو ان کی دنیوی تدابیر کے حوالہ کر دیا ہے۔

ذیل میں ہم ان کی بیماریاں گناتے ہیں اور ان کے سامنے ان تعلیماتِ رسولؐ کے نمبر لکھتے ہیں جن کی مخالفت سے مسلمانوں میں یہ بیماریاں پیدا ہوئی ہیں۔

(۱) شیخ زادگی اور سید زادگی کا غرور اور عملِ صالح سے بے پروائی۔ حالانکہ جن اکابر کی طرف یہ اپنے کو منسوب کرتے ہیں ان کے شرف و امتیاز کا سبب صرف عملِ صالح اور اتباعِ رسول ہی تھا۔ نمبر ۲۱ و ۲۵۔ (۲) پدرم سلطان بود کا ناز بے جا فاتحانِ ہند کی بچی کھچی دولت کے نشہ میں عمل اور کسبِ حرفت اور تجارت سے غفلت۔ نمبر ۵۲۔ (۳) تقریبات اور تہوار اور عید میں ہندؤں کی مسرفانہ رسوم کی نقل و اختیار نمبر ۱۱ و ۶۲ و ۷۲ و ۱۲ (۴) عقائد اور توحید میں تزلزل، توہم پرستی نمبر ۱ و ۹ (۵) احترامِ اسلاف و اکابر میں سبائیوں اور ہندؤں کی اتباع نمبر ۱۲ و ۶۱۔ (۶) شکل، وضع، لباس وغیرہ میں فرنگیوں اور ہندؤں کی اتباع نمبر ۱۲ و ۶۱۔ (۷) وقت کی بے قدری اور تباہ کن لغو مشاغل نمبر ۲۳ و ۲۷ و ۴۹ و ۴۹

(۸) مال کو زیادہ یا بیجا خرچ کرنے کے باعث اور ذاتی محدود عیش کی پسند کے باعث قومی فنڈ سے بخل۔ نمبر ۴۰ و ۴۷ و ۴۴ و ۶۲ و ۲۷ (۹) باہم حسد اور نا اتفاقی اور غداری و قوم فروشی جیسے شرمناک جرموں کا ارتکاب نمبر ۲۱ و ۲۷ و ۳۹ و ۵۸ و ۶۱۔ (۱۰) دوسری قوموں سے دلی دوستی، اور اس طرح اپنی قوم کو اجتماعی و اقتصادی ضرر رسانی نمبر ۱۲ و ۶۱ و ۷۰ (۱۱) تبلیغ قول اور عمل سے کرنا چھوڑ بیٹھنا نمبر ۳۴ و ۶۵ و ۶۷۔ (۱۲) خود کو قانونِ حیات سے تہیدست اور آزاد سمجھنا اور جہالت پر قناعت کر لینا نمبر ۳۳ و ۷۶۔

اس کے بعد میں مسلمانوں کے سامنے اگلی فصل ۱۰ پیش کر کے عرض کرونگا کہ تعلیمات خداوندی اور ارشاداتِ محمدی کی یہ بڑی بڑی سرخیاں آپ کے سامنے موجود ہیں۔ ترقی کو جی چاہتا ہو اور یقیناً چاہتا ہے تو اس کو ایک آئینہ فرض کیجیے اور اپنے موجودہ حالات کے ایک ایک خط و خال کو اس آئینہ میں دیکھ کر درست کر لیجیے۔ جو مکروہ دھبے آپ کے چہرۂ حالات کو داغدار بنائے ہوں ان کو دور کیجیے۔ ان تعلیمات پر پورا پورا عمل کیجیے یعنی ان میں سے اُن پانچ پر بھی جو اسلام کے محل کی بنیادیں ہیں کلمہ، نماز، روزہ، زکات، حج اور بقیہ اُن ۷۲ پر بھی جو اسلام کا عالی شان محل ہیں اور ایمان و اذعان رکھیے کہ جس طرح ساڑھے تیرہ سو برس پہلے امتِ عربیہ نے ان پر عمل کر کے نمایاں ترقی کی تھی آپ کو بھی ویسی ہی نمایاں ترقی انشاء اللہ ملے گی اور ضرور ملے گی۔ اور چونکہ ان کی بنیادیں بڑی ٹھوس اور مضبوط ہوں گی اس لئے آپ کی انفرادی اور قومی دونوں ترقیاں بھی بڑی ٹھوس، مضبوط، دیرپا اور ہمہ گیر ہونگی۔ یہ تو دنیا میں ہوگا اور آخرت میں آپ کو جنت، رسول کی معیت، حق تعالیٰ کی زیارت نصیب ہوگی وذالک ہو الفوز العظیم۔ یہ ہماری سلطنت اور جنت دو بام ترقی ہیں جہاں پہنچائیگا دونوں تک زینہ ایمانی

لیکن اگر خدانخواستہ آپ اس کی ہمت نہ کریں اور آپ کو دیرپا ترقیٔ دنیوی اور جنت کی اخروی ترقی کی امنگ نہ ہو اور آپ بھی مثل دیگر اقوام کے اپنی قوم کی صرف دنیوی ترقی چاہتے ہوں تو اگرچہ یہ آپ ہی کی کم ہمتی اور کوتاہ نظری ہوگی مگر اللہ نہ بخیل ہے نہ ظالم ہے نہ عاجز۔ آپ بھی وہ اصول تمام وکمال اختیار کر لیجئے جو آجکل اقوامِ متمدنہ و ترقی یافتہ کا معمول ہیں (جن کی فہرست پہلے آچکی ہے) اور اس اصول کو یاد رکھئے کہ انفرادی ترقی کیلئے دوسرے اسباب و مطالبات ہوتے ہیں اور قومی و اجتماعی ترقی کیلئے دوسرے اسباب ہوتے ہیں۔ قومی فلاح اور اجتماعی ترقی پانے کیلئے صرف افراد کے مطالباتِ ترقی کو پورا کر لینا ہرگز کافی نہیں ہو سکتا۔ اس کے لئے تو اجتماعی مطالبات ہی کو پورا کرنا از بس ضروری ہے۔ یاد رکھئے کہ اگر کسی قوم کے افراد فرداً فرداً جنید بغدادیؒ اور بایزید بسطامیؒ بلکہ صدیقِ اکبرؓ جیسے بہتر انسان بھی ہوں اور وہ اجتماعی مطالبات پورے نہ کرتے ہوں تو ہرگز وہ قوم ترقی نہیں کر سکتی۔ وہ قوم ان بہتر انسانوں کے باوجود بھی ذلیل، مغلوب اور پست رہے گی۔ ذیل میں چند اہم مطالباتِ اجتماعیت درج کئے دیتا ہوں: (۱) رعایتِ بیجا اور سفارشِ بیجا سے اصول کو نہ ٹوٹنے دینا (۲) ووٹنگ میں بجائے رسہ کشی کے ایک آزمودہ کار کو بخوشی امیر بن جانے دینا مگر اس کے مشیر کا بیت یا اصول ہونا (۳) دوسروں کے طعن کے خوف سے اپنے اصول، اپنے ضمیر اور انصاف کا خون نہ کرنا۔ (۴) اپنی قوم کے جائز حقوق کو کسی طعنے کے خوف سے مٹنے کے لئے نہ چھوڑ دینا۔ (۵) اپنی روایات اور خصائصِ قومیت پر کسی وقت شرمندہ نہ ہونا بلکہ ان پر فخر کرنا اور جمے رہنا سیکھنا۔ (۶) قوم کے مفاد کو ذاتی مفاد سے بدرجہا اہم سمجھنا۔ (۷) دوسروں سے دلی دوستی نہ رکھنا۔ قومی راز نہ کھولنا۔ قومی غداری سے بچنا۔ (۸) قوم کے ہر فرد کی عزت کا اپنی عزت سے زیادہ احترام کرنا ادنیٰ کے دکھ میں اعلیٰ کا بے چین ہو جانا وغیرہ۔

Scanned with CamScanner

فصل ۱۰۔ فروعِ ایمانی یا شعب ایمانی کی مفصل تشریح

(۱) اس فصل میں بعض فقہی مسائل کا سرسری تذکرہ کر دیا گیا ہے۔ عمل کرنے کیلئے ہر موقع پر علماء سے ضرور تحقیق و استفسار کر لیا جائے (۲) ہر فرع کے ساتھ آیت و حدیث کے صرف ترجمہ پر اکتفا کی گئی ہے۔ ان کے متن و الفاظ کو طوالت و بے حرمتی کے اندیشہ سے درج نہیں کیا گیا۔

۱۔ ایمان باللہ (قرآن "رسول اور مسلمان ہر ایک ہی اللہ پر ایمان لایا" (البقرہ)۔ حدیث "ایمان یہ ہے کہ تو اللہ کو دل سے مانے" (مشکوٰۃ)۔ مطلب (۱) اللہ پر ایمان رکھنے میں اللہ کا وجود ماننا۔ اس کو اپنا آقا ماننا۔ اس کو ایک ماننا۔ اسکی تمام صفات کو ماننا۔ اس کو تمام صفات میں یکتا ماننا وغیرہ سب داخل ہے۔ (۲) اس کو آقا ماننے میں یہ بھی داخل ہے کہ بس وہی اکیلا اس قابل ہے کہ اس سے خوف رکھا جائے۔ اسی کو نفع پہنچانے والا۔ پکار سننے والا۔ حاجات پوری کرنے والا۔ نقصان پہنچانے والا سمجھا جائے۔ دوسرے سے ڈرنا۔ بدشگونی توہم پرستی وغیرہ توحید کے خلاف ہے اسے شرک کہتے ہیں (۳) شرک بزدلی پیدا کرتا ہے اور توحید شجاعت بڑھاتی ہے (۴) شرک۔ بدشگونی۔ توہم پرستی وغیرہ ترقی کیلئے سخت مضر ہیں۔ (۵) اللہ کو ماننے کا مطلب یہ یقین رکھنا بھی ہے کہ وہ اپنے تمام وعدے پورے کریگا۔ پس نیکیوں پر ہم کو ثواب الدنیا والآخرہ حسب وعدہ ضرور دیگا (اور ہم کو اس سے مانگتے بھی رہنا چاہیئے) اسی طرح برائیوں پر وہ اپنی وعیدیں ضرور پوری کریگا اور ہم کو عذاب الدنیا والآخرہ حسب وعید ضرور دیگا اور اس سے بچنے کیلئے ہم کو خدا سے معافی بھی مانگتے رہنا چاہیئے) (۶) نیکیوں میں ثواب ماننا اور خدا سے مانگنے کیلئے عمل کرنا احتساب کہلاتا ہے جو ایمان کا ایک ضروری جزو ہے۔ (۷) اللہ پر ایمان ہا مسلم قوم کا واحد نصب العین ہے۔

اللہ زندہ ہے۔ اس لئے ہمارا یہ نصب العین بھی زندہ ہے۔ اس سے مسلمانوں کے دلوں میں گرمی تازگی زندگی پختگی پیدا ہونی چاہیئے۔ ایمان بالنصب العین کیلئے یہ اشعار یاد رکھو:۔

ہر اک قوم ایک مدت کیلئے دنیا میں آتی ہے
جہاں میں ایک "نصب العین" اپنے ساتھ لاتی ہے
یہ نصب العین ہی سر میں سماتا ہے جنوں بن کر
یہی رگ رگ میں اس کی دوڑتا ہے موجِ خوں بنکر
بغیر اس کے ہے پیکر مردہ و بے جان ملت کا
یہی ہے دین ملت کا یہی ایمان ملت کا
اسی سے دل کشی ہے سرخیٔ خونِ شہیداں کی
اسی سے ضرب کاری ہوتی ہے مردِ مسلماں کی
بغیر اس کے خودی پائندہ و محکم نہیں ہوتی
نظر رازِ درونِ زیست کی محرم نہیں ہوتی

(از نظم صوفی اختر ۔ا)

۲-حدوثِ غیر اللہ | قرآن "ہر چیز فنا ہونے والی ہے سوا اللہ کی ذات کے" (روم)
حدیث "اللہ ہے اور اس وقت سے ہے کہ اس سے قبل کوئی چیز نہ تھی" (مشکوٰۃ) مطلب (۱) توحید کا یہ ایک اہم جزو ہے کہ انسان یہ مانے کہ اللہ کے سوا ہر چیز مخلوق اور حادث ہے اور اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے۔ (۲) اس نظریہ کے رکھنے سے انسان کے قوائے فکریہ و عملیہ زیادہ یکسو ہو کر کام کرتے ہیں اور اس سے انسان میں شجاعت موت سے بے خوفی، دلجمعی پیدا ہوتی ہے۔ (۳) زمین، آسمان، بڑے سے بڑا فرشتہ، بڑے سے بڑا انسان، نبی اور ولی چونکہ سب مخلوق اور حادث ہیں اس لئے اللہ کے مقابل عاجز ہیں پس ان سے مدد مانگنا عقل کے خلاف ہے۔

۳-ایمان بالملائکہ | قرآن "رسول بھی اور مسلمان بھی اللہ پر، اس کے تمام فرشتوں پر انکی سب کتابوں پر اس کے سب رسولوں پر دل سے یقین رکھتے اور ایمان لاتے ہیں" (البقرہ)
حدیث "ایمان یہ ہے کہ تو اللہ پر اور اس کے کل فرشتوں پر اور اس کی سب کتابوں پر اور اس کے سب رسولوں پر دل سے یقین رکھے" (مشکوٰۃ) مطلب (۱) اللہ نے اپنی قدرت کے اور شاہنشاہی کے دکھانے کیلئے ایک مخلوق خالص روشنی سے پیدا کی ہے جس کے جسم بھی ہے وہ محض قوتِ مجردہ (انرجی) نہیں ہے۔ اس کا جسم بہت لطیف ہے وہ نہ

مرد ہے نہ عورت اسے فارسی میں فرشتہ و پری کہتے ہیں۔ ہندی میں دیوا و دوت کہتے ہیں اور عربی میں مَلَک۔ (۲) فرشتوں کی دو قسمیں ہیں ایک تو ملاءِ اعلیٰ اونچے درجے اور اونچے اور خاص دربار کے فرشتے جن سے آسمانی امور کا انفرام متعلق ہے۔ ایک ملاءِ اسفل نیچے دربار والے جن سے زمینی امور کا انفرام متعلق ہے۔ اللہ کا ہر حکم پہلے ملاءِ اعلیٰ میں پہنچتا ہے۔ وہاں سے زمینی معاملات کے انتظام کیلئے ملاءِ اسفل میں آتا ہے۔ (۳) ملاءِ اسفل کے متعلق اتنے کاموں کے فرشتوں کا پتہ چلتا ہے اول:۔ انتظامِ بقاءِ کائنات مثلاً ہوا چلانا، پانی برسانا، غلہ پھل پھول اُگانا، موتی سونا چاندی وغیرہ بنانا، جان ڈالنا، جان نکالنا، روشنی یا تاریکی کرنا، ملک بسانا، ملک اجاڑنا وغیرہ دوم انسانوں کی حفاظت سوم انسانوں کے اعمال کا لکھنا۔ چہارم نیک بندوں کیلئے دعائے خیر و طلبِ مغفرت اور برے بندوں پر لعنت۔ پنجم خدا کی تسبیح و تقدیس ششم مردوں سے عالمِ قبر میں سوال وغیرہ۔ (۴) ملاءِ اعلیٰ میں چار بڑے دفتر ہیں ایک روشنی، علم، جان، آبادی وغیرہ کا اس کے افسرِ اعلیٰ حضرت سیدنا جبریل علیہ السلام ہیں ان کے ماتحت ان کے دفتر میں بیشمار فرشتے ہیں۔ دوسرا دفتر رزق و دولت وغیرہ کا اس کے افسرِ اعلیٰ حضرت سیدنا میکائیل علیہ السلام ہیں ان کے ماتحت بھی بیشمار فرشتے ہیں۔ تیسرا دفتر جان نکالنے کا اس کے افسرِ اعلیٰ حضرت سیدنا عزرائیل علیہ السلام ہیں ان کے ماتحت بھی بیشمار فرشتے ہیں۔ چوتھا دفتر تباہی و بربادی وغیرہ کا۔ اس کے افسرِ اعلیٰ حضرت سیدنا اسرافیل علیہ السلام ہیں۔ ان چاروں کا درجہ بہت بڑا ہے (۵) اللہ تعالیٰ نے کسی بڑے فرشتے کو بھی کسی چیز کا مختارِ کل نہیں بنا دیا ہے کہ اپنی مرضی سے وہ جسے جو کچھ اور جتنا کچھ چاہیں دیدیں۔ بلکہ ان کا ہر کام خدا کے تازہ حکم سے ہوتا ہے اور حکم کے مطابق ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بلا تشبیہ فرشتوں سے اس طرح کام لیتے ہیں جس طرح انسان کسی مشین کے پرزہ پر ہاتھ لگا کر ان سے کام لیتا ہے کہ جبتک وہ ہاتھ

Scanned with CamScanner

پرزہ پر ہے وہ کام کر رہا ہے۔جہاں وہ ہاتھ ہٹا کہ وہ پرزہ بیکار ہوا۔

۴۔ایمان بالرسل | قرآن وحدیث کا حوالۂ بالا۔ مطلب (۱) یہ ماننا کہ پہلے انسان کو خدا نے پیغمبر بنایا۔یعنی خدا نے انسان کی بہبود کے قوانین خود بنا کے ان کو بتائے تا کہ تاکہ اسی کے مطابق وہ خود بھی چلیں اور اپنی اولاد یعنی اسوقت کے انسانوں کو اسی پر چلائیں۔ پھر جب جب قوانین بڑھانے یا بدلنے کی یا یاددہانی کی ضرورت پڑی اس نے برابر پیغمبروں کو پیغام لیکر بھیجا۔ (۲) ایسے پیغمبر ہر ملک میں ہر زمانہ میں ہوتے اور اپنی قومی زبان میں خدا کا پیغام پہنچاتے رہے۔ان کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار (بقول مشہور) ہے۔ان میں سے صرف پچیس ۲۵ پیغمبروں کے نام قرآن میں ہیں جن میں خاص نبی یہ ہیں: حضرت آدم ع۔ نوح ع۔ ادریس ع، ابراہیم ع، اسماعیل ع، یعقوب ع عرف اسرائیل، موسیٰ ع، داؤد ع، سلیمان ع، عیسیٰ ع اور آخر میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم وعلیہم السلام۔ (۳) تمام پیغمبر اور رسول انسان ہی ہوتے ہیں ہر نبی انسانی اوصاف کا پوری طرح جامع وکامل۔ہر نبی کی شریعت صرف دو مخلوق کی ہدایت کیلئے ہوتی ہے۔جن وانس۔ باقی مخلوقات اور عالم غیر مکلف ہیں۔ (۴) انبیاء کی کسی مقرر تعداد مثلاً ایک لاکھ چوبیس ہزار یا دو لاکھ چوبیس ہزار وغیرہ پر ایمان لانا ضروری نہیں۔بس یہ ماننا ضروری ہے کہ جتنے انبیا ورسول اللہ نے بھیجے ہیں سب کو دل سے سچا مانتا ہوں۔جتنوں کے نام بتائے گئے ہیں ان کو ان ناموں سے اور جتنوں کے نام نہیں معلوم ان کو مجمل۔ (۵) پہلے نبی حضرت آدم تھے اور آخری محمد علیہم السلام۔اب کوئی نبی نہ آئیگا۔نبیوں کے آتے رہنے کا اور اب آنحضرت ص کے بعد بند ہو جانے کا مطلب یہ ہے کہ ابتدائی دور کا انسان گویا ایک بچہ تھا جس کا لباس اس کے قد کے موافق بنایا گیا۔پھر انسان کی عقل اور ضروریات بڑھیں تو وہ پچھلی تعلیم ان انسانوں کیلئے ناکافی ہونے لگی تو اللہ نے قوانین اس وقت کے مطابق کچھ بدل کر بھیجے۔گویا سابق لباس جسم پر تنگ تھا تو اس کو بدل دیا۔مگر آخری نبی محمد ص کے زمانہ کے انسان کی

Scanned with CamScanner

عقل اور ضرورتیں اپنے خاتمہ و کمال کو پہنچ چکی ہیں جس طرح انسان کا جسم بچپن سے بڑھتے بڑھتے جوانی میں ایک حد پر آکر ٹھہر جاتا ہے اور اس کا بڑھنا رک جاتا ہے اور مرنے کے وقت تک اس کا جسم اسی حد پر رہتا بلکہ کچھ گھٹنے بھی لگتا ہے اور جوانی کا لباس اس کے جسم پر آخر عمر تک درست آتا ہے پھر چھوٹا نہیں پڑتا کہ بدلنے کی ضرورت پڑے۔ اسی طرح آنحضرت کو جو دین عطا ہوا اس کے بعد اب نبی آنے کی اور دین بدلنے کی ضرورت ہی نہیں۔ کیونکہ اب عقل اور ضروریات کو بڑھنا نصیب نہ ہوگا۔ اسی کے ساتھ ساتھ آپ کو جو کتاب دی گئی اس میں اب تک کی تمام کتابوں کی تعلیمات جمع کر دی گئیں۔ اور کچھ نئی مزید تعلیمات بھی دی گئیں اور اسی کے ساتھ اس آخری کتاب کی پوری حفاظت کا سامان بھی کر دیا۔

- - - - - - - - - - (۶) ہر ملک اور ہر زبان کے پیغمبر پر ایمان کو ضروری بتا کر خدا نے مسلمانوں کو انتہائی بے تعصب، فراخدل، رواداری اور صلح و اخوت کا طالب بنا دیا کہ وہ ہر ملک کے خدائی تعلیم دینے والے مقتداؤں کو مانے، ان کا احترام کرے۔ چاہے ان کے نام کبھی نہ جانے۔ مسلمانوں کے مقابلہ میں دوسری قومیں سخت تنگ نظر اور متعصب ہیں کہ اپنے خدائی تعلیم دینے والے مقتداؤں کے سوا کسی کو نہ برحق مانتے اور نہ ان کی عزت کرتے نہ ان سے محبت کرتے ہیں۔

۵۔ ایمان بالکتب قرآن و حدیث کا حوالۂ بالا۔ مطلب (۱) خدا نے ہر زمانہ میں ہر ملک میں ہر پیغمبر کو جو کتاب دی وہ اصل کتابیں سب برحق اور سچی تھیں چاہے ان کے نام ہمیں معلوم ہوں یا نہ ہوں۔ (۲) اب ان کتابوں کے صحیح نسخے اپنی اصلی زبانوں میں بھی نہیں ملتے۔ کیونکہ ان قوموں نے ان کا ترجمہ بغیر اصل و متن کے رکھنا شروع کر دیا۔ پھر ان میں ترمیم، تنسیخ اور اصلاح کرنے لگے جس کے معنی تحریف کے ہیں۔ اس لئے اصل کتابیں نا پید ہو گئیں اب جو کتابیں ان کتابوں کے نام سے ملتی ہیں ان میں چونکہ ان قوموں نے بہت کچھ گھٹا بڑھا دیا ہے اس لئے نہ ان پر اعتبار اور ایمان رکھنا چاہیئے اور نہ ان کے

Scanned with CamScanner

احکام اب نافذ ہوسکتے ہیں۔ (۳) صرف قرآن ایک ایسی کتاب ہے جو قیامت تک نہیں مٹ سکتی۔ اس میں آجتک ایک لفظ ایک حرف یا نقطہ کی تبدیلی نہیں ہوئی اس کی زبان عربی بھی آجتک زندہ اور محفوظ ہے (۴) قرآن کا صرف ترجمہ الگ چھاپنا حرام ہے۔ (۵) قرآن میں تمام کتب آسمانی یعنی صحف آدمؑ وشیثؑ، صحف ابراہیمؑ، توریت موسیٰؑ، زبور داؤدؑ اور انجیل عیسیٰ علیہم السلام سب کے مضامین اور سب کی تعلیمات کو خدا نے جمع کردیا ہے اور قرآن کی ہر قسم کی حفاظت کا خود ذمہ لیا ہے۔

۶۔ ایمان بالیوم الآخر قرآن "اصل نیکی تو یہ ہے کہ انسان اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لائے" (بقرہ) حدیث: ایمان یہ بھی ہے کہ تو قیامت کے دن کو دل سے مانے" (مشکوٰۃ) مطلب (۱) ایک دن اس دنیا میں ضرور آئیگا اور وہ دنیا کا آخری دن ہوگا جب کچھ آثار کے بعد یہ دنیا ختم کردی جائیگی۔ اور نیک و بد کے حساب وسزا و جزا کا دربار لگے گا۔ پس قیامت تین چیزوں کے مجموعہ کا نام ہے اور تینوں پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اول آثار و علاماتِ قیامت ۔ چند علامات یہ ہیں: زمین اور آسمان کے یہ سارے موجودہ انتظامات (مثلاً پہاڑ کا وزنی ہونا اور جگہ سے نہ ٹلنا۔ جاڑا گرمی برسات کا اپنی مقررہ فصلوں میں ہونا۔ سورج کا پورب سے نکلنا۔ چاند ستارے اور سورج کا روشن ہونا۔ ان سب امور) میں اختلال اور برہمی پیدا ہوجائے گی۔ سورج ایک دن پچھم سے نکلے گا۔ سورج چاند ستارے بے نور ہوجائیں گے۔ پہاڑ کا وزن غائب ہوجائیگا اور وہ روئی کیطرح ہلکے ہو کر اڑیں گے۔ پھر سب مخلوق فنا ہوگی۔ دوم حشر و نشر یا بعث یعنی تمام انس و جن جتنے آجتک پیدا ہوئے اور مرے ہیں یا آئندہ پیدا ہوکر مریں گے سب پھر سے پیدا ہوں گے۔ نیا آسمان نئی زمین بنے گی۔ سب کے اعمال کا حساب ہوگا اور جزا و سزا کا فیصلہ ہوگا۔ سوم ابدی زندگی اچھوں کی آرام میں اور بروں کی تکلیف میں۔ (۳) یوم آخر کو دل سے مان لینے کے بعد انسان کو برے کاموں سے

گناہوں سے، ظلم، زیادتی اور فساد سے بچنے میں بیحد مدد ملتی ہے۔ جو قومیں قیامت کو نہیں مانتیں وہ ظلم اور تعصب میں بیحد دلیر ہوتی ہیں۔

۷۔ **ایمان بالجنۃ** | قرآن "یقین رکھو کہ برائیوں سے بچنے والوں کیلئے ان کے رب کے پاس آرام دہ باغ ہیں" (ن) حدیث "ایمان یہ بھی ہے کہ تو جنت کو برحق جانے" (مشکوٰۃ) مطلب (۱) جنت کو (مولانا گیلانی کے الفاظ میں) یوں سمجھو کہ اس وقت اس عالم عنصری کی ضرورتوں کے لئے زمین کے تین حصوں میں پانی اور صرف ایک حصہ میں پہاڑ، جنگل، چھوٹے دریا، زمین اور انسانی آبادیاں ہیں۔ اس چھوٹی زمین کی خشکی کے سات بڑے حصے ہیں جن کو اقلیم کہتے ہیں۔ یوم آخر میں یہ سب فنا ہو جائیں گے۔ حشر و نشر کے وقت نئی زمین پر صرف دو اقلیمیں یا دو برِ اعظم ہوں گے۔ اس وقت کی زمین میں ایک تو سمندر اور پہاڑ کے ہٹ جانے کی وجہ سے وسعت ہو گی اس کے علاوہ خدا ہی جانے اور کتنی وسعتیں (مختلف سیاروں کی یا غیب کی) اس میں اور مل جائیں گی۔ باوجود اتنی وسعت کے اقلیم یا برِ اعظم صرف دو ہونگے ایک جنت جس کی زمین، پہاڑ، پیداوار، خاک، دریا، ہوا مخلوق وغیرہ جدا قسم کی ہو گی اور دوسرے جہنم، اسکی بھی زمین، پہاڑ، پیداوار، خاک، دریا، ہوا مخلوق وغیرہ جدا قسم کی ہو گی (۲) دنیا نے آجتک جتنی قسم کی راحتیں سوچیں، ایجاد کیں، برتیں اور دیکھی ہیں یا قیامت تک سوچ اور برت سکیں گے وہ اور ان سے بدرجہا بڑھ کر راحتیں اور لذتیں جنت میں ہونگی (۳) جنت ہر طرح کے خالص آرام و راحت کا گودام ہے۔ وہاں باغ، محل، میوے، پھل، سایہ، نہر، خوبصورت بیویاں، خوبصورت نوکر، طرح طرح کے ریشمی لباس، جواہر اور قیمتی زیور، لذیذ کھانے، خوشبو، ہر طرح کی خوشی اور بے فکری وغیرہ ہے۔ دنیا کا ہر آرام وہیں کا نمونہ ہے۔ (۴) وہاں کی راحت اور خوشی میں کسی قسم کی تکلیف کی آمیزش نہیں ہے دنیا کی ہر لذت میں راحت کے ساتھ ہی کلفت کی آمیزش ہے۔ (۵) جنت کی لذتیں جسمانی ہوں گی ان کو خیالی اور روحانی نہ سمجھنا چاہئے۔ (۶) جنت پیدا ہو چکی ہے۔ ہماری نگاہوں سے

مخفی ہے۔ اور ملے گی ان کو جن کو اعمال کا حساب اور فیصلہ کے بعد اللہ تعالیٰ انعام دینگے۔

۸۔ ایمان بجہنم | قرآن "ڈرو اس آگ سے جس کے ایندھن آدمی اور پتھر ہوں گے۔" (البقرہ) حدیث "ایمان یہ بھی ہے کہ وہ آگ برحق ہے" (مشکوٰۃ) جہنم حشر ونشر کے بعد کی زمین میں دوسرا بر اعظم ہوگا (۲) وہ پیدا ہو چکا ہے۔ ہماری نگاہوں سے مخفی ہے۔ اس کے سات دروازے ہیں۔ (۳) جہنم تمام تکالیف کا گودام ہے دنیا کی ہر تکلیف وہاں کی تکالیف کا معمولی نمونہ ہے۔ وہاں آگ، دھواں، سانپ، بچھو، مار پیٹ، زنجیر کی قید، جلن کی تکلیف، ٹھنڈ کی تکلیف، زخم، خون، پیپ کا بہنا، بری غذا وغیرہ کی تکلیفیں ہونگی (اللہ سب مسلمانوں کو اس سے بچائے)

۹۔ ایمان بالقدر | قرآن "تم کو زمین میں (مثلاً زرخیزی، عمدہ پیداوار ہو) یا تمھاری جانوں میں (مثلاً حیات، صحت ہو یا بیماری اور موت) جو حالت کبھی پیش آتی ہے اس کے پیش آنے سے پہلے ہم نے ایک کتاب میں لکھ لیا ہے۔ یہ پہلے سے لکھ لینا اللہ پر آسان ہے۔ یہ اطلاع اس لئے دی کہ اگر تم کو کوئی چیز نہ مل سکے تو تم اس پر رنج نہ کرو۔ اور اگر اللہ تمھیں کوئی چیز دیدے تو اس پر اترانے نہ لگو" (حدید) حدیث "ایمان یہ بھی ہے کہ تو اللہ کی بنائی ہوئی تقدیر کو دل سے مانے اچھی کو بھی اور بری کو بھی" (مشکوٰۃ) مطلب (۱) پہلے تو یہ سن لو کہ تقدیر کا مسئلہ ذرا باریک اور پیچیدہ ہے۔ جلد عام دماغ اس کو سمجھ نہیں سکتے۔ اس لئے آنحضرت صلعم نے اس میں بلا وجہ غور و بحث کرنے سے روک دیا ہے۔ اس کے متعلق ہر گفتگو میں دو وسیع اور نازک مسائل کی بحث پیدا ہو جاتی ہے ایک تو یہی قدر اور تقدیر کا مسئلہ جس کے معنی ہیں ہر چیز کا اندازہ و علم کہ اللہ نے پہلے کچھ لکھ لیا ہے۔ اور دوسرے انسان کے مجبور ہونے یا با اختیار ہونے کا مسئلہ۔ اس کو جبر و اختیار کہتے ہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ تقدیر کی بحث کیجئے اور اسمیں مسئلہ قدر اور مسئلہ جبر و اختیار دونوں نہ آجائیں۔ اسی لئے

Scanned with CamScanner

عموماً یہ بحث "قدر اور جبر" کے نام سے مشہور ہے۔ (۲) تقدیر کا مطلب اور اسکی غرض یہ نہیں ہے کہ انسان نکما، کاہل اور بیوقوف بنے (جیسے آج مسلمان بنے ہوئے ہیں اور تقدیر کو آڑ بناتے ہیں) بلکہ جیسا قرآن کی آیت میں صاف بیان کیا گیا ہے۔ اسکی غرض یہ ہے کہ اگر کوشش میں انسان ناکام رہے تو مایوس اور شکستہ دل ہو کر آس یا عمل چھوڑ نہ بیٹھے۔ بلکہ اس یقین و ایمان سے تسلی حاصل کرے کہ میرے مالک کی اس معاملہ میں یہی مرضی تھی۔ اور اس ناکامی میں میری بہتری ہے۔ کچھ پروا نہیں پھر کام کریں گے اور اللہ کا نام لیکر اور اس سے مدد مانگ کر کریں گے اور اگر کامیاب ہوں تو بھی اپنی طاقت اور کوشش پر نہ اترانے لگے۔ کیونکہ ناکامی میں مایوسی اور کامیابی میں اترانا۔ یہ دونوں انسان کے قوائے عمل کو معطل کر دیتے ہیں۔ پس تقدیر اور قدر کے مسئلہ کا خلاصہ اور فائدہ یہ نکلا کہ ناکامیوں میں صبر جیسی اعلیٰ صفت پیدا کرنے میں مدد دے۔ اور کامیابیوں میں شکر جیسی اعلیٰ صفت پیدا کرنے میں مدد دے۔ ایمان یعنی اعلیٰ انسانیت کیلئے یہ دو صفات ناگزیر اور مفید ہیں (۳) خوب یاد رکھنا چاہئے کہ اللہ میاں کے یہاں دو محکمے اور دو ڈیپارٹمنٹ الگ الگ ہیں۔ ایک عالم خلق اور دوسرا عالم امر۔ عالم خلق یا تکوین وہ حقائق و اصول ہیں جو کائنات کے پیدا کرنے اور باقی رکھنے سے متعلق ہیں۔ اس کا تعلق بندوں سے کچھ نہیں ہے سوا اس کے کہ اس پر اسی طرح ایمان و یقین دلی رکھا جائے اور بس۔ اس کا کوئی تعلق شریعت، حکم، گناہ، نیکی، عذاب، ثواب، مکلف ہونے وغیرہ سے نہیں ہے۔ دوسرا عالم، عالم امر یا تشریع۔ یعنی وہ اصول و قوانین جو اللہ نے بندوں پر واجب کئے ہیں اس کا تعلق بندوں سے ہے اور شریعت، حکم، گناہ، نیکی عذاب، ثواب، مکلف ہونا وغیرہ اسی کے سلسلہ کی چیزیں ہیں۔ اس کو ذہن نشین کر لینے کے بعد یہ بات غور سے سمجھنے اور یاد رکھنے کی ہے کہ مسئلۂ قدر عالم خلق کی چیز ہے اور اسکے امور

ہمارے اختیار سے باہر انکے متعلق ہم پر صرف ایمان لانے اور دل سے ماننے کی ذمہ داری ہے
اس سلسلہ کی کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس کا تعلق شریعت، گناہ، نیکی وغیرہ سے ہو لیکن
مسئلہ قدر میں چار چیزیں شامل ہیں ایک تو اللہ کا ہر چیز کو پیدا کرنا اور اس کو اپنی
مصلحت سے ایک خاص اچھائی یا برائی کے ساتھ ایک اندازہ اور مقدار میں پیدا
کرنا۔ دوسرے انسان کے اعمال کو کسی حد پر پہنچانا اور اس حد کو واضح اور ممتاز
و نمایاں کر دینا جسے ہم نتیجہ کا ظہور کہتے ہیں۔ تیسرے اللہ کو قیامت تک کے واقعات و احوال
حادثات و مصائب کا علم و احاطہ ہے ان تینوں چیزوں کو علم الٰہی میں اور لوح محفوظ
دونوں میں موجود اور محفوظ اور مکتوب ماننا ضروری اور فرض ہے۔ چوتھے اسی
کے ساتھ اس پر ایمان لانا بھی فرض ہے کہ اللہ نے دنیا میں ہر کام کو کسی سبب سے
وابستہ کر دیا ہے بغیر سبب کے عموماً کوئی کام ہوا نہیں کرتا۔ یہ تو ہے قدر، دوسرا
مسئلہ جبر یعنی "جبر و اختیار" وہ خالص عالم امر کی چیز ہے۔ اس کے ہر قدم پر شریعت
حکم، نیکی اور ثواب یا بدی اور عذاب، تکلیف و مواخذہ وغیرہ کی پابندی ہے اور
اس کے متعلق ماننا پڑتا ہے کہ صحیح عقیدہ یہی ہے کہ انسان کو عالم امر
کی حد میں با اختیار مانا جائے۔ (۴) اب اس کے بعد یہ بات سمجھنے کے قابل ہے کہ
"کسی کام کا ہو جانا یا کر دینا" جسے کہا جاتا ہے اسکی حقیقت کیا ہے؟ (الف) سب سے
پہلے عالم خلق کی ایک چیز آتی ہے وہ یہ کہ آپ سے آپ ایک خیال کا ذہن میں گزرنا"
یہ چیز انسان کے بس سے باہر ہے وہ اس کو روک نہیں سکتا۔ اس کیلئے مجبور ہے۔
(ب) اس پہلے خیال کی طرف اگر انسان توجہ نہ کرے تو جس طرح وہ آپ سے آپ
آیا تھا اسی طرح از خود چلا بھی جائیگا اور انسان اس کے مطابق عمل کرنے سے
بچ جائیگا۔ مگر انسان بعض وقت اس خیال کو دماغ میں کچھ دیر روک لیتا ہے۔
اور اس پر غور کرتا، اسکی طرف توجہ کرتا اور اس سے مزے لیتا ہے۔ یہ اس کا دماغ میں پکنا

Scanned with CamScanner

عالم امر کی چیز ہے البتہ انسان کے بس میں ہے۔ اس کیلئے شرعی حکم یہ ہے کہ اچھا اور نیکی کا خیال ہو تو ضرور توجہ کرو۔ اور برا اور گناہ و بدی کا خیال ہو تو اسکی طرف ہرگز توجہ نہ کرو۔ اس کو دماغ سے نکل جانے دو۔ (ج) اس کے بعد اس پر مزید غور کرنا۔ اس کی فکر کرنا۔ اس میں منافع اور جس کو سوچا عمل میں لانے کی تدابیر یکے بعد دیگرے کرنا وغیرہ کئی مراحل پیش آتے ہیں اور سب میں انسان کو اختیار رہتا ہے کہ جس مرحلے پر چاہے اس کو ختم کر دے۔ مگر ہر مرحلہ اور ہر حد پر پہنچنے کے بعد وہ اپنے اختیار سے آخری حد تک خود جانا چاہتا ہے۔ یہ سب عالم امر کی چیز ہے۔ اور ہر مرحلہ پر اختیار کا ہونا سب کا تجربہ اور مسلمہ ہے۔ (د) ان سب کے بعد عالم امر کی آخری حد آتی ہے جہاں انسانی عمل اور فعل انتہا کو پہنچ جاتا ہے۔ بس فوراً ہی عالم خلق کی ایک چیز پیدا ہو جاتی ہے جسے ہم "نتیجہ" کہتے ہیں۔ یہ نتیجہ چونکہ عالم خلق کی چیز ہے۔ اس لئے ہمارے بس سے باہر ہے۔ پس خلاصہ یہ ہوا کہ کسی کام کے کرنے کے سلسلہ میں ایک تو سب سے پہلا مرحلہ "خیال کا دماغ میں گزر جانا" عالم خلق کی چیز ہے اور ہمارے بس سے باہر ہے اور ایک سب سے آخری مرحلہ "نتیجہ کا پیدا ہو جانا" یہ عالم خلق کی چیز ہے اور اس لئے ہمارے بس اور اختیار سے باہر ہے۔ اور ان دونوں سروں کے بیچ میں کام کرنے کا ہر مرحلہ انسان کے بس اور اختیار میں ہے

(۵) اختیار کی علامت اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ برا کام کر کے انسان کو ضرور شرمندگی ہوتی ہے اور اس کے نتیجہ کے ظاہر ہونے کے وقت پچھتاتا ہے تو غور کیجئے اس کا افسوس نتیجہ پر نہیں ہوا کرتا بلکہ ہر مرحلہ پر اپنے ارادہ پر اپنے اصرار و انہماک پر اور برابر فراہمی اسباب کرتے رہنے پر افسوس ہوتا ہے۔ ورنہ نتیجہ کے متعلق اس کو یقین رہتا ہے کہ وہ ہمارے اختیار میں نہیں ہوتا اور اسباب کے سلسلہ میں نتیجے کے ظہور کو وہ یقینی اور ایک حسابی حقیقت جانتا ہے۔ (۶) تقدیر میں شک اور اعتراض کرنے والے اپنے اچھے کاموں کو اپنی طرف منسوب کرتے ہی رہتے ہیں۔ یہ بھی اختیار کی کھلی علامت ہے وہ تو صرف بدیوں اور گناہوں کو اپنے اختیار کی بجائے خدا کی طرف منسوب کرنا چاہتے ہیں تاکہ گناہ سے بری اور معصوم ثابت ہو سکیں۔ حالانکہ نفسیاتی رو سے ان کا یہ فعل کبر نفس اور ملامت نفس

کے بلجانے کی وجہ سے پیدا ہوا ہے اور بس (۷) اب تقدیر کے بارہ میں ایک اہم بات اور سُن لیجئے :۔ دنیا میں ہونے والے حادثات و مصائب ہوں یا انسان کے کئے ہوئے اعمال یہ سب جو لوحِ محفوظ میں درج ہیں تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ (الف) بیشتر امور تو اس شرط کے ساتھ درج ہیں کہ فلاں شخص اگر اپنے اختیار کو کام میں لا کر فلاں کام سبب کے مطابق کریگا تو ہم اس کا نتیجہ فلاں طرح کا پیدا کر دیں گے جو اس کے حالات کے لحاظ سے اس کو موافق آئے گا اور یہ اُسے اچھا کہے گا، اور اگر اپنے اختیار سے کام نہ لیکر" سبب کے خلاف کریگا تو ہم اس کا نتیجہ فلاں طرح کا پیدا کر دیں گے جس کو یہ اپنے حالات کے لحاظ سے برا سمجھے گا۔ مثال میں یوں سمجھو کہ سو میں ۹۵ کام اسی شرط اور تعلیق کے ساتھ درج ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کا نوشتہ تو خود انسان کو اچھائی کیلئے موقع اور گنجائش دے رہا ہے نہ کہ اس کو کسی کام کو نوشتہ کے مطابق ہی کرنے پر مجبور کر رہا ہے۔ اکبر نے خوب کہا ہے ؎

خدا توفیق دیتا ہے جنہیں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ خود اپنے ہی ہاتھوں سے بنا کرتی ہیں تقدیریں

یہ تقدیر سبب کے ساتھ مشروط ہے۔ ایسے امور میں مواخذہ، خود اس کے اعمالِ اختیاری پر ہوگا نہ کہ پہلے کے نوشتہ پر، یہ انسان کے اپنے اختیار میں ہے کہ اپنے کو کتنا سدھارتا یا بگاڑتا ہے (ب) اب صرف ۵ فیصدی کام بچتے ہیں ان کو اللہ نے عام اسباب کے قانون سے بالاتر اور مستثنیٰ رکھنا چاہا ہے ورنہ اگر سو فیصدی کام اسباب ہی کے ماتحت ہوا کرتے تو پھر نعوذ باللہ خدا کے تعطل کا ایہام لازم آتا۔ پس اللہ نے اپنی قدرت اور اختیار کا حق باقی رکھنے کیلئے کچھ امور اپنے قبضہ میں رکھے اور ان کو خاص اسباب اور خاص صورتوں کیلئے اپنی قدرت کے اظہار کیلئے مخصوص رکھا ہے مثلاً انبیا کے معجزات، اولیا کے کرامات۔ انبیا و اولیا کی سفارش اور دعاؤں سے کسی کام کا ظہور وغیرہ۔ مگر ان پانچ کاموں میں بھی ایک آدھ بات بالکل اٹل ہی رہتی ہے کہ وہ کسی کے کہنے سفارش کرنے۔ دعائیں کرنے سے بھی نہیں ٹلتی وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور قدرت کا حق ہے یہ مبرم ہے اس میں بھی مواخذہ اس کے اعمالِ اختیاری پر ہوگا۔ (۸) بدفالی لینا۔ وہم پرستی کرنا۔ مصائب میں مایوس ہو جانا۔ نعمت میں اترانا۔ نحوست کو (بجائے اس کے کہ گناہوں کا اثر سمجھا جائے)

Scanned with CamScanner

مکان، عدد، اشیاء میں ماننے لگنا یہ سب چیزیں تقدیر پر ایمان کے خلاف ہیں اور یقیناً افراد اور اقوام کی ذہن اور طبیعت اور حوصلہ کی ترقی اور بلندی کیلئے بیحد مہلک اور مضر ہیں۔

۱۰۔ اللہ سے محبت | قرآن "ایمان والے شدید محبت تو صرف اللہ سے کرتے ہیں" (البقرہ) آیت ۱۶۵ "اگر تمھیں تمھارے باپ، بیویاں، برادری، تمھارے کمائے ہوئے مال، تمھاری تجارت تمھارے مکان اللہ سے اور رسول ﷺ سے اور اس کے دین میں پوری کوشش کرنے سے بھی زیادہ پیارے ہوں تو پھر ذرا ٹھہرو اللہ کا نیا حکم آیا ہی چاہتا ہے" (توبہ) حدیث "تین چیزیں ایسی ہیں کہ جس شخص میں وہ پائی جائیں وہ ایمان کی حلاوت پاتا ہے۔ اول یہ کہ اللہ اور رسول اس کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہوں" (بخاری مسلم) مطلب (۱) محبت کے تین درجے ہیں اول "شدید ترین محبت" اس درجہ کی محبت (عقلی) اللہ میاں صرف اپنے لئے چاہتے ہیں۔ دوسرے "حب اور زیادہ محبت" یہ درجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت کا حق ہے تیسرے "عام محبت" اس درجہ کی محبت اللہ تعالیٰ نے ہر انسان میں عورت اولاد سیم و زر گھوڑے بیل، بکری کھیتی اور زمین وغیرہ چیزوں کیلئے فطرتاً رکھی ہے۔ تاکہ ملکیت کا جذبہ اور حقوق پیدا ہوں۔ لہٰذا ان چیزوں کی معمولی محبت نہ بری ہے نہ منع۔ (۲) اللہ اور رسول سے محبت کا مطلب یہ ہے کہ شرعی احکام کی تعمیل آسان ہو۔ کسی دوسری چیز کا خیال اس تعمیل میں حائل نہ ہونے پائے (۳) اسی میں داخل ہے موت سے نہ ڈرنا۔ جان کی بیجا پروانہ کرنا۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ موت مسلمان کیلئے تحفہ ہے۔ یعنی مومن کو تحفہ کیطرح مرغوب ہونی چاہئیے دوسری حدیث میں ہے کہ موت ایک پل ہے جو ایک دوست کو دوسرے دوست (انسان کو اللہ) سے ملا دیتا ہے"۔ آج ہم مسلمان موت سے طبعاً تو ڈرتے ہی ہیں عقلاً بھی ڈرنے لگے ہیں۔ اور ترقی قومی و شخصی کیلئے موت سے نڈر ہونا، دلیر ہونا، مہمات میں اقدام وغیرہ لازمی ہے نمبر ۶۷ بھی دیکھو۔

۱۱۔ رسول ﷺ اللہ سے محبت | قرآن "اے محمد ﷺ ہم نے تم کو رسول بنا کر بھیجا تاکہ اے مسلمانو

تم اللہ اور رسولؐ پر ایمان لاؤ اور رسولؐ کی مدد اور توقیر کرو" (فتح) حدیث بالا۔ حدیث ۲: "رزا میرے صحابہ کے معاملہ میں اللہ سے ڈرتے رہنا! ان کو میرے بعد نشانہ ملامت نہ بنانا۔ جو ان سے محبت کریگا تو در اصل مجھ سے محبت رکھنے کی وجہ سے ان سے محبت کریگا اور جو اُن سے دشمنی و بغض رکھے گا تو در اصل وہ مجھ سے دشمنی رکھتا ہے" (ترمذی) مطلب (۱) رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اصلی محبت یہ ہے کہ رسول کی پیروی کرے کیونکہ خدا کو خوش کرنے اور اس کے احکام پر چلنے کا آسان طریقہ صرف رسول کی پیروی ہے۔ پس ترقی کیلئے بھی رسول کے طریقہ پر چلنا بیحد ضروری ہے اور بدعت یعنی خلافِ سنت چلنا ترقی کیلئے مضر ہے۔ چنانچہ صحابہ کی ترقی اس کا کھلا ہوا ثبوت ہے۔ (۲) آپ سے محبت کرنے میں پیروی کے ساتھ آپ کی تعظیم و احترام کرنا۔ آپ کا نام لینے کی بجائے آپ کا لقب استعمال کرنا۔ آپ کا نام یا لقب ادب سے لیکر درود بھیجنا بھی داخل ہے۔ (۳) رسول ہی کی محبت میں یہ بھی داخل ہے کہ (الف) آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی محبت رکھی جائے انکی شان میں بے ادبی نہ کی جائے (ب) آپ کے اہلِ بیت یعنی ازواج مطہرات سے محبت کی جائے (ج) آپ کے آلِ عبا یعنی اولادِ رسول سے بھی محبت کی جائے۔

۲۱۔ حب فی اللہ اور بغض فی اللہ

قرآن: رسولؐ کے ساتھی کافروں پر بہت سخت اور آپس میں بہت نرم ہیں" (فتح) حدیث: "اللہ ہی کے بارہ میں کسی سے محبت بھی کرے اور اللہ ہی کے بارہ میں کسی سے نفرت بھی کرے" (نسائی) مطلب (۱) جس چیز، شخص، گروہ، مال، عورت، تجارت وغیرہ سے تعلق کو اللہ کے حکم سے رسولؐ اللہ نے منع کیا (جس کی تفصیل فقہ میں ہے) اس سے نفرت کرنا۔ اور جس شخص، چیز، گروہ وغیرہ سے محبت کرنے کو پسند فرمایا اور حکم دیا ہے اس سے محبت کرنا فرض ہے۔ (۲) اس سے قومیت کے صحیح اور معتدل تخیل کی تخلیق اور پرورش ہوتی ہے۔ یہ مسلمان کو دوسری اقوام سے ممتاز اور ان کے اندر خودی اور حیات و شعور پیدا اور قائم کرتی ہے۔ (۴)

اغیار سے محبت اور مسلمانوں سے نفرت نعوذ باللہ قریب بہ کفر ہے جس سے اللہ نے قرآن
میں جابجا بیحد منع فرمایا ہے۔ ایک جگہہ فرمایا ہے "اے ایمان والو! اپنے دشمنوں اور میرے
دشمنوں کو اپنا دوست نہ بنانا" دوسری جگہہ فرمایا "کفار سے دوستی نہ کرنا.... اللہ تم کو
اپنے نفس (قہر، غضب، عذاب) سے ڈرانا چاہتا ہے۔" مگر افسوس آج مسلمان عام اور
خاص سبھی برابر کفار سے دوستی یک جہتی رکھتے ہیں۔ اسی لئے ترقی سے محروم اور پسپت
ہیں۔ قومی غداری کی سزا اسی دنیا میں مل رہی ہے انا للہ (نمبر ۱۶ و ۱۷ کبھی دیکھیں)

۱۳ - اخلاص | قرآن "تاکہ لوگ اللہ کی غلامی کریں اور اطاعت کو خالص اسی
کیلئے کریں" (بینہ) حدیث "اخلاص میں تین چیزیں ہیں کہ مسلمان کا دل ان کے قبول
کرنے میں پس و پیش نہیں کرتا۔ عمل کا خالص کرنا۔ حکام (عادل) کی اطاعت (اپنی)
جماعت سے وابستہ رہنا" (احمد) حدیث ۲ "کسی نے پوچھا یا رسول اللہ ایمان کیا
ہے؟ آپ نے فرمایا اخلاص" (ترغیب) مطلب (۱) مسلمان کی پوری زندگی مذہب،
لین دین، شادی، موت، پیدائش، نفرت، محبت سبھی میں اللہ ہی کو خوش کرنے کی
نیت رکھے (۲) اخلاص دراصل تین چیزوں (یعنی اپنی پسند، دکھاوا اور دورخاپن)
کے چھوڑنے کو کہتے ہیں۔ پسند اور ہوا سے مراد یہ ہے کہ کوئی کام اپنی پسند سے اپنے دل کے
خوش کرنے کو کرنا۔ چاہے خدا کا خیال، دینی مصلحتیں فوت ہو جائیں۔ ریا سے مراد یہ ہے
کہ کوئی کام دوسروں کو خوش کرنے کیلئے کرنا۔ ظاہر ہے کہ اس طرح کام کرنے سے کام
پوری توجہ سے نہ ہو سکے گا اور خراب ہو کر رہے گا۔ نفاق سے یہ مراد ہے کہ مخالفت
دل میں رکھ کر اس کے خلاف محبت ظاہر کرے یا محبت دل میں رکھ کر مخالفوں کا سا
کام کرے۔ (۳) نفاق کو رسولؐ نے ایک جگہہ یوں سمجھایا ہے "بات میں ہمیشہ جھوٹ
بولنا۔ امانت میں بدنیتی کرنا۔ عہد کے خلاف کرنا۔ لڑنے میں گالیاں بکنا" (بخاری، مسلم)

۱۴ - توبہ و استغفار | قرآن "پھر اللہ کی طرف توبہ کرو اور پلٹو" (ہود) حدیث

Scanned with CamScanner

"اگر تم اس قدر گناہ کرو کہ وہ آسمان تک پہنچ جائے اور پھر تم سچے دل سے توبہ کرو تو خدا تمہاری توبہ قبول فرمائیگا" (   ) مطلب (۱) گناہ ہو جانے پر پچھتانا۔ دل میں سوزش سی پیدا ہونا اور آیندہ گناہ نہ کرنے کا عہد کرنا اور گذشتہ گناہوں کی تلافی کرنا توبہ کہلاتا ہے۔ (۲) گناہ پر جلد توبہ کر لینا حضرت آدم علیہ السلام کی سنت اور آدمیت کا بہترین کمال ہے آدم کے مرحوم اور ابلیس کے محروم ہونے میں توبہ ہی کا فرق ہے۔ (۳) حق اللہ مثلاً ترکِ نماز جھوٹ وغیرہ کی تلافی یہ ہے کہ دل سے پچھتائے اور چھوٹی ہوئی نمازوں کو ادا کرے اور حقوق العباد مثلاً رشوت، سود، غصب، غیبت، جھوٹی گواہی وغیرہ کی تلافی یہ ہے کہ جس کا مال یا جائداد ہو یا تو اس کو ادا کرے یا اس سے معاف کرائے۔ (۴) فروعِ ایمانیہ کی ایک فہرست میں ایک شعبہ بعنوان "نیکی پر دل کا خوش ہونا اور برائی پر دل کا برا ہونا" بھی ہے میں اس کو توبہ ہی کی ایک فرد سمجھ کر اسی میں داخل کرتا ہوں۔ (۵) مسلمان مردہ کیلئے بھی مغفرت کی دعا کرنی چاہیئے۔

۱۵۔ خوف | قرآن "ایمان والے اللہ کی سزا سے ڈرتے ہیں" (بنی اسرائیل) حدیث "ایمان والے کا دل کبھی بے خوف نہیں ہوتا" (اصفہانی) مطلب (۱) ایمان یہ بھی ہے کہ ہر کام میں اور ہر وقت خدا کا خوف دل میں رکھے اور یہ سوچا کرے اللہ تعالیٰ میرا ہر کام دیکھ رہے ہیں اور ہر گناہ یا عمل کی ہر کوتاہی پر مجھے عذاب الدنیا والآخرہ ضرور دینگے (۲) خوف صرف اللہ ہی کا دل میں رکھنا چاہئے اور کسی کا خوف دل میں نہ آنے دینا چاہئے۔ کیونکہ نقصان پہنچانے والا۔ اچھی حالت کو بری حالت سے بدل سکنے والا سوا اللہ کے کوئی نہیں۔ (۳) کسی کام کو نہ بالکل مطمئن ہو کر کرے نہ بالکل ڈرتے رہ کر۔ بلکہ اسکے برے انجام کا ڈر دل میں ضرور رکھے۔ (۴) ہر عملی کوتاہی پر نقصان کا خیال اور نقصان پہنچانے والے کا خوف ترقی کا بہت بڑا راز ہے۔

۱۶۔ رجا اور امید | قرآن "وہ لوگ اللہ سے نیک امید رکھتے ہیں" (بنی اسرائیل)

حدیث "اگر کافر جان لے کہ اللہ کے پاس کتنی رحمت ہے تو اللہ کی جنت سے کوئی نا امید نہ ہو" (بخاری مسلم) مطلب (۱) ہر کام کو حکم کے مطابق کرنے کے بعد خدا سے اچھا گمان رکھنا (کہ وہ اس تعمیل حکم سے خوش ہو کر مہربان ہوگا دنیا میں ترقی اور عقبیٰ میں جنت مرحمت دیگا۔ ایسا ہرگز نہ ہوگا کہ میری یہ کوشش امید یہ عمل ضائع ہو جائے) فرض ہے۔ (۲) اگر کوئی برابر گناہ کرتا رہے اور گناہوں کے ساتھ خدا سے نیک گمان رکھے تو یہ رجا نہیں غرور اور دھوکا ہے اور سخت گناہ ہے۔ (۳) قول مشہور "الایمان بین الخوف والرجاء" صرف نماز روزہ اور دیانات ہی کیلئے مخصوص نہیں بلکہ ترقی کا راز یہی ہے۔ دنیوی اور مادی امور بھی اگر سدھرتے اور نفع بخش بنتے ہیں تو اسی طرح کہ ہر کام میں کوتاہیوں کے نقصان اور اچھائیوں سے نفع کا خیال ہر قدم پر رہے۔

۱۷۔ حیا قرآن "آدم و حوا حیا سے اپنے اوپر جنت کے پتے جوڑ جوڑ کر ڈھانکنے لگے" (انعام) حدیث "حیا ایمان کی ایک شاخ ہے" (بخاری مسلم) حدیث ۲ "حیا و شرم تمام ایمان ہے" (مسلم) مطلب (۱) حیا ایک اعلیٰ صفت انسانی ہے۔ خدا سے حیا و شرم ہوگی تب بھی بہت سے گناہ انسان نہ کریگا اور اگر مخلوق کی شرم ہوگی تب بھی بہت سے گناہوں سے انسان بچا رہے گا۔ (۲) ننگے رہنا، ننگی اور فحش، بیحیائی کی کی باتیں کرنا، عورتوں کو بے پردہ رکھنا، گناہ کی باتوں کا یا فرائض پر عمل نہ کرنے کا تذکرہ علانیہ کرنا وغیرہ یہ سب حیا و غیرت کے خلاف ہے۔ (۳) دوسروں کی روٹیوں پر پڑے رہنا، مقدور ہونے پر بھی دوسرے کا قرض نہ ادا کرنا، بھیک مانگنا، دوسروں کا بلا وجہ احسان لینا وغیرہ بھی حیا و غیرت کے خلاف ہے۔ (۴) ترقی حاصل کرنے کے لئے خودداری، عزت نفس، ضروری چیزیں ہیں اور یہ چیزیں حیا ہی کی شاخیں ہیں۔ (۵) قرآن میں حضرت آدمؑ کی تین خصوصیات کا تذکرہ ہے۔ علم، توبہ اور حیا۔ پس حیا آدمیت کی تین اعلا صفتوں میں سے ایک ہے۔ (۶) مسلمانوں میں عام

Scanned with CamScanner

حیا کے علاوہ عورتوں کے بارہ میں خاص حیا و غیرت بھی ہونی چاہیے۔ جس کا اہتمام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت تھا۔ بغیر حیا و غیرت کے ترقی و عزت محال ہے۔

۱۸۔ شکر | قرآن "تم میرا شکر ادا کیا کرو اور ناشکری نہ کرو" (البقرہ) حدیث "جس نے آدمیوں کا شکر ادا نہ کیا اُس نے اللہ کا شکر ادا نہ کیا" (مسلم) مطلب (۱) شکر کے معنی ہیں قدر دانی، قدر شناسی کے۔ پس اللہ تعالیٰ کے احسانات مثلاً جان، بدن، تندرستی کا ملنا۔ مال اور اولاد کا ملنا، بلاؤں سے بچنا، نجات پانا وغیرہ کی ناشکری اور بے قدری نہ کرے۔ ان کو نہ بھولے، احسان فراموشی اور کفرانِ نعمت بدترین خصلت ہے۔ بلکہ ہر نعمت کی قدر کرے اور تمام نعمتوں اور احسانوں کی قدر اور شکر کا آسان طریقہ اسلام لانا ہے۔ اسلام لانا خود شکرِ نعمت ہے۔ (۲) شکر کرنے میں تین باتیں ہوتی ہیں اول دل سے احسان ماننا۔ دوسرے زبان سے اس نعمت و احسان کا ذکر اور محسن کی تعریف۔ تیسرے عمل سے محسن کو خوش کرنے والے اعمال کرنا۔ یہی طریقہ خدا کے ساتھ بھی برتے اور محسن انسان کے ساتھ بھی۔ (۳) عموماً ایک انسان پر ماں باپ کے، استاد اور پیر کے، آقا و حاکم کے احباب اور عام احسان کرنے والوں کے احسانات ہوتے ہیں۔ ان سب کا شکر دلی، زبانی اور عملی ادا کرتے رہنا چاہیے۔ (۴) جس نعمت پر شکر ادا کیا جاتا ہے وہ پھر چھینی نہیں جاتی۔

۱۹۔ وفا | قرآن "عہدوں کو پورا بھی کرو کیونکہ عہد کے بارہ میں خدا کے ہاں پرسش ہوگی" (بنی اسرائیل) حدیث "معاہدہ کر کے پورا نہ کرنا بھی نفاق ہے" (بخاری مسلم) مطلب (۱) ہم خدا سے جو عہد روزانہ کرتے ہیں کہ ہم تجھی کو آقا مانتے اور صرف تجھی سے مدد مانگتے ہیں" یا یہ کہ جتنے لوگ خدا کا کہنا نہ مانیں گے (خواہ مسلمان کہلائیں یا کافر) ہم ان سے ترک تعلق کرتے ہیں" ان سب کو پورا بھی کرنے کی فکر کرنا چاہیے۔ (۲) انسانوں سے بھی جو وعدہ معاہدہ کیا جائے اس کو بھی پورا کرنا چاہیے۔ (۳) وعدہ کر کے خلاف کرنا۔ امید دلا کر ناامید کرنا معاہدہ پورا نہ کرنا کم تولنا وغیرہ پستی کے اخلاق ہیں۔

Scanned with CamScanner

ان سے قوم یا شخص کی ہوا خیزی ہوتی ہے۔ رعب جاتا ہے۔ بدنامی ہوتی ہے پستی آتی ہے۔

۲۰۔ صبر | قرآن "اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ (مدد کرنے کو ہر وقت) رہتے ہیں (البقرہ) حدیث "صبر نصف ایمان ہے" (بیہقی) مطلب (۱) صبر ایک اعلیٰ صفت ہے جو ترقی کیلئے بیحد ضروری ہے۔ (۲) مصیبت کو کسی سے نہ کہنا۔ آئی ہوئی بات کو سہہ لینا دوسروں کی ایذاؤں کو سہہ لینا اور جہاں تک ہوسکے بدلہ نہ لینا۔ تنگدستی بھوک وغیرہ کی برداشت کرنا اور کسی سے نہ کہنا۔ بیوی بچوں، نوکروں کی بے عقلیوں کو انگیز کرنا جاہلوں سے جہالت نہ کرنا وغیرہ سب صبر ہے۔ (۳) لڑائی میں ثابت قدم رہنا نہ بھاگنا بھی صبر ہے۔

۲۱۔ تواضع | قرآن "اور وہ غرور نہیں کرتے" (سجدہ) حدیث "دوزخ میں ایسا کوئی داخل نہ ہوگا جس کے دل میں رائی بھر بھی ایمان ہے۔ اور جنت میں ایسا کوئی نہ داخل ہوگا جس کے دل میں رائی برابر بھی تکبر ہوگا" (مسلم) مطلب (۱) تکبر کی ضد تواضع ہے۔ تکبر سے مراد یہ ہے کہ دوسرے کو حقیر و ذلیل سمجھنا۔ تواضع یہ ہے کہ دل سے دوسرے کو اپنے سے اچھا اور اپنے کو دوسرے سے کم سمجھنا۔ (۲) قومی ترقی کیلئے اتحاد و اتفاق بیحد ضروری ہے اور اتحاد و اتفاق کیلئے تواضع اہم چیز ہے بغیر تواضع کے اتحاد ناممکن ہے۔ (۳) دوسروں کی توقیر کرنا اپنی رائے کے مقابلہ میں دوسرے کی رائے بخوشی مان لینا۔ دوسرے کی تعریف کرنا ترقی کا گر ہے۔ یہی مطلب ہے من تواضع للہ رفعہ اللہ کا۔

۲۲۔ رحم و توقیر | قرآن "مسلمانوں سے جھک کر ملو" (حجر) جو مسلمان بچوں پر رحم کرنا اور مسلمان بڑوں کا حق پہچاننا نہ جانے وہ ہم میں سے نہیں" (کنز العمال) مطلب (۱) ہمدردی، تیمارداری، غمخواری اور عوام کیلئے اسپتال، کنوئیں، لنگرخانے سرائیں، مدرسے بنوانا بھی رحم میں داخل ہے۔ (۲) اجتماعیات کا ایک بہت بڑا اصول یہ بھی ہے کہ چھوٹے پر بڑا رحم کرے اور بڑے کی چھوٹا عزت و توقیر کرے۔ اگر اپنی قوم

ہی کہ لوگ ایک دوسرے کا اس طرح خیال نہ کریں گے تو دوسرے بھی اس قوم کے افراد کی عزت نہ کریں گے اور قوم کمزور ہوتی چلی جائے گی

۲۳۔ تسلیم و رضا | قرآن "پھر وہ مسلمان (اے رسولؐ) تیرے فیصلے پر دل میں تنگی نہ پائیں اور اسے پوری طور پر مان لیں" (النساء) حدیث "انسان کی نیک بختی کی بات یہ بھی ہے کہ خدا سے خیریت مانگے۔ پھر جو حکم خدا نافذ فرمائے اس پر راضی بھی رہے۔ اور اس کی بدبختی یہ ہے کہ خدا کے فیصلہ پر ناخوش ہو"۔ (ترمذی) مطلب (۱) جس طرح پھوڑے میں مبتلا آدمی نشتر، دوا مرہم سب کیلئے آمادہ رہتا ہے اور اگر نشتر ہی لگے تو خوش رہتا ہے۔ اسی طرح خدا کے حکم یا دعا کے بعد کسی ناگوار بات کے ظہور پر بھی ناخوش نہ ہو۔ شکایت، بے صبری اور سرکشی نہ دکھائے۔ (۲) اس سے فساد کی جڑ کٹتی ہے۔

۲۴۔ اعتماد و توکل | قرآن "مومنوں کو صرف اللہ ہی پر بھروسہ چاہیئے" (التغابن) حدیث "میری امت میں سے ستر ہزار آدمی بغیر حساب کتاب ہی کے جنت میں چلے جائیں گے۔ یہ وہ ہیں جو جھاڑ پھونک نہیں کرتے۔ بدشگون نہیں لیتے اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں (بخاری مسلم) مطلب (۱) جادو، مسمریزم، حاضرات، ٹونا ٹوٹکا، یا چھینکنے کو، بلی کے نکل جانے کو یا اور چیزوں کو منحوس جاننا اور ان میں تاثیر ماننا نہ چاہیئے۔ بری فال شگون نہ لینا چاہیئے۔ نیک فال لے سکتے ہیں۔ مگر تاثیر اسمیں بھی نہ ماننا چاہیئے۔ (۲) توکل سے مراد یہ ہے کہ کام کی لازمی تدبیر برابر کرتا رہے مگر نتیجہ کو خدا کے سپرد کر دے۔ کامیابی ملے تو اس کو خدا کی طرف منسوب کرے۔ (۳) توکل ہی میں احتساب بھی داخل ہے کہ جو عمل کرے اس کو ثواب اور معاوضہ کی امید میں کرے۔ (۴) اللہ سے پورے یقین کے ساتھ امید رکھے کہ میری کوشش تدبیر کا پھل وہ ضرور دیگا۔

۲۵۔ ترکِ عُجب | قرآن "اور حنین کی جنگ میں جب تم اپنی کثرت پر نازاں ہونے لگے تھے مگر تمھاری کثرت تم کو کچھ فائدہ نہ پہنچا سکی" (التوبہ) حدیث "تین چیزیں ہلاک

کرنے والی ہیں۔ حرص اپنی خواہش اور اپنے اوپر اترانا" (طبرانی) مطلب (۱) اپنے اندر کوئی خوبی ہو تو اپنے کو نہ اس کا مالک سمجھے نہ یہ خیال کرے کہ یہ ہمیشہ رہے گی اور نہ یہ کہ یہ میرا ذاتی حق ہے بلکہ اس کو عاریت اور کمالِ الٰہی کا عکس جانے۔ خدا کا عطیہ جانے کہ جب وہ چاہے گا تب چھین بھی لیگا۔

۲۶۔ ترکِ بغض | قرآن "وہ مسلمان کہتے ہیں اے ہمارے رب! .... ہمارے دلوں میں مسلمانوں کی طرف سے کینہ اور کھوٹ نہ پیدا ہونے دے" (حشر) حدیث "چغل خوری اور کینہ دوزخ میں لیجانے والی چیزیں ہیں۔ ایک مسلمان کے دل میں یہ چیزیں نہیں رہ سکتیں" (طبرانی) حدیث ۲ "ہر روز دوشنبہ اور پنجشنبہ کو جنت کے دروازے کھولدیئے جاتے ہیں (یا اعمال خدا کے سامنے پیش ہوتے ہیں) اس روز ہر مسلمان کے چھوٹے گناہ تو معاف کردیئے جاتے ہیں مگر کینہ رکھنے والے کا گناہ معاف نہیں ہوتا اور حکم ہوتا ہے کہ ان دونوں کو چھوڑ دو جب تک کہ یہ دونوں صلح نہ کرلیں" (مسلم) مطلب (۱) کسی مسلمان سے اگر اپنے ذاتی معاملہ میں رنج پہنچے تو تین دن اس سے ناراض رہ سکتا ہے۔ چوتھے دن خود اس سے ملنے کی کوشش کرے۔ (۲) ہاں دین کے معاملہ میں رنج پہنچے تو علیحدگی اور بائیکاٹ ضروری ہے جب تک وہ اس خلافِ شرع کام کو چھوڑ نہ دے۔ (۳) قومی ترقی اور اجتماعیت کے اصولوں میں ناگواریوں پر طرح دینا۔ ناچاقیوں پر جلد دل کی صفائی کر لینا بہت ضروری ہے۔

۲۷۔ ترکِ حسد | قرآن "کہو کہ .... کہ جب جلن کرنے والا جلنے لگے تو اس کے شر سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں" (فلق) حدیث ۱ "حسد نیکیوں کو اس طرح کھالیتا ہے جس طرح آگ لکڑیوں کو" (ابوداؤد) حدیث ۲ "کوئی شخص مسلمان نہیں ہوسکتا جب تک اپنے بھائی مسلمان کیلئے بھی وہی نہ چاہے جو اپنے لئے چاہتا ہے" (بخاری) مطلب (۱) حسد یہ ہے کہ دوسرے کی اچھی حالت پر دل میں جلن پیدا ہو۔ ناگواری ہو۔ یہ گویا اللہ پر اعتراض ہے

Scanned with CamScanner

اس سے اندھا ہو کر آدمی ہزاروں گناہ اور جرائم کر بیٹھتا ہے۔ دوسرے کی ایذا رسانی کی فکر میں رہتا ہے۔ (۲) مسلمان میں یہ صفت ہونا ضروری ہے کہ جو اچھائی اپنے لئے چاہے وہ دوسرے مسلمان کیلئے بھی بخوشی چاہے اور جو برائی اپنے لئے پسند نہ کرے وہ دوسرے کیلئے بھی نہ چاہے۔ (۳) ترقی کیلئے حسد بہت مہلک ہے۔

۲۸۔ ترکِ غضب | قرآن "جب وہ مسلمان کسی پر غصہ کرتے ہیں تو اس کا قصور معاف کر دیتے ہیں" (شوریٰ) حدیث "پہلوان وہ نہیں ہے جو دوسروں کو ٹپک دے بلکہ پہلوان وہ ہے جو غصہ میں اپنے اوپر قابو رکھے" (بخاری مسلم) حدیث ۲ "غصہ شیطان کی وجہ سے ہوتا ہے اور شیطان آگ سے بنا ہے اور آگ بجھتی ہے پانی سے پس جسے غصہ آئے وہ وضو کرے" (ابو داؤد) حدیث ۳ "جس کو غصہ آئے وہ اگر کھڑا ہو تو (علاج یہ ہے کہ) بیٹھ جائے، پھر غصہ نہ جائے تو لیٹ جائے" (ترمذی) مطلب (۱) غصہ انسان کو پاگل بنا دیتا ہے۔ اس سے قوائے ذہنی اور عقلی بیکار ہو جاتے ہیں شخصی اور قومی ترقی کی راہ میں یہ سخت مضر ہے۔ (۲) غصہ کی حالت میں کوئی کام یا فیصلہ نہ کرے حلم سے کام لے۔

۲۹۔ نصح یا ترکِ بدخواہی | قرآن "حضرت شعیبؑ نے کہا... میں نے تم کو نصیحت اور خیر خواہی کی بات سنائی" (اعراف) حدیث "دین خیر خواہی کرنے کو کہتے ہیں۔ جس نے (کسی مسلمان کی) بدخواہی کی وہ مجھ سے نہیں" (مسلم) مطلب (۱) دوسرے مسلمانوں کی نیز تمام مخلوق کی عام خیر خواہی مسلمان کیلئے لازم ہے۔ (۲) ضرورت والے کو مشورہ دینا۔ بدراہ کو نرمی سے نصیحت کرنا اور غلط راستے سے روکنا واجب ہے۔ (۳) مسلمان دنیا میں خدا کی پولیس ہے۔ برائیوں کو روکنا۔ برائیوں کو کم کرنے کی کوشش کرنا۔ اس کے فرائض میں داخل ہے۔ مگر عقل و حکمت کے ساتھ ٹوکتے رہنا ترقی قومی کیلئے ہر فرد پر لازم ہے۔ (۴) بدگمانی سے بچنا دوسرے کے نقصان پر ہنسنا نہ چاہئے۔ یہ بھی نصیحت میں داخل ہے شماتت اور بدظنی اجتماعیت کیلئے سم قاتل ہیں۔

۲۳۰۔ ترک حبِ دنیا (یا زہد و قصرِ امل) قرآن "جس شخص کو اس کے نفس کے بخل سے بچا لیا گیا۔ ایسے لوگ پورے فلاح و ترقی پانے والے ہیں۔" (تغابن) حدیث "ترقی اور فلاح وہ شخص پائیگا جو مسلمان ہوا اور جس کو گزارے بھر کا رزق دیا گیا اور اس پر قناعت کی" (مسلم) مطلب (۱) حرص و لالچ سے بھی آگے بڑھ کر آرزوئیں بڑھانا۔ ہر وقت مال بڑھانے کی فکر میں رہنا حبِ دنیا اور امل ہے اور اس کو رسول ؐ نے جرائم اور گناہوں کی جڑ فرمایا۔ یہ بہت بُری چیزیں ہیں۔ اس کے مقابل قناعت، زہد، گوشہ نشینی، طلبِ آخرت بہت اچھی چیزیں ہیں۔ (۲) آرام و راحت طلبی کے پیچھے پڑنا۔ ناز و نعمت آرائش و فخر کی چیزیں جمع کرنا۔ مال اور عہدہ بڑھانا۔ امیروں میں بیٹھنا۔ اور ان کی ریس کرنا۔ غریبوں سے نفرت کرنا وغیرہ ترقی نہیں حبِ دنیا ہے۔ (۳) انسان حب دنیا کے خیال میں اپنے کو بڑی ذلتوں اور مشقتوں میں ڈال لیتا ہے۔ اس دُھن میں افسروں کو سلامی دینا، ان کی خوشامد، دوڑ دھوپ، تلخ باتیں سہنا سب کچھ گوارا کرتا ہے۔ حالانکہ بے فکری آزادی عزتِ نفس وغیرہ ترقی کا گُر ہیں۔

۲۳۱۔ کلمہ پڑھنا قرآن "کلمہ طیبہ کی مثال ایک عمدہ درخت کی سی ہے جس کی جڑیں خوب گہری ہوں اور شاخیں آسمان سے باتیں کر رہی ہوں۔" (ابراہیم) حدیث "اپنا ایمان لاالٰہ الا اللہ کثرت سے کہہ کہہ کر تازہ کیا کرو" (احمد) مطلب (۱) کلمہ لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہر مسلمان کو اکثر پڑھتے رہنا چاہئے۔ (۲) اذان میں، وعظ، خطبوں میں اور خطبۂ نکاح میں کلمہ سن لینے کے بعد جواب میں خود بھی پڑھنا چاہئے (۳) یہ مسلمان کا نعرۂ توحید ہے۔ یہ مسلمان کا لائحۂ عمل ہے۔ یہ ایک عہد ہے جو مسلمان اللہ سے کرتا ہے کہ میں اپنا حاکم سوا اللہ کے کسی کو نہ مانوں گا۔ اور اللہ کے احکام کو صرف محمد ؐ کے دربار سے معلوم کروں گا۔ جو اللہ کا پیغام ہم تک لائے ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

۲۳۲۔ قرآن پڑھنا قرآن "مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں قرآن کی تلاوت کیا کروں" (روم)

Scanned with CamScanner

حدیث "قرآن پڑھا کرو، قیامت کے دن قرآن اپنے پڑھنے والوں کی سفارش کرتا ہوا آئیگا" (مسلم) مطلب (۱) قرآن پڑھنے کیلئے حروف کو سنوارنا، تجوید و قرأت سیکھنا فرض ہے۔ (۲) تلاوت یعنی محض الفاظ کا پڑھنا (خواہ معنی سمجھے یا نہ سمجھے) ضروری ہے (۳) قرآن سمجھ کر پڑھنا بہت ہی اچھا ہے۔ قرآن کے احکام پر عمل کرنا فرض ہے کیونکہ قرآن اسی لئے اترا ہے (۴) علما کو چاہئے کہ قرآن کا ترجمہ اس کا مطلب۔ اس کے احکام عوام کو روزانہ بتلانے کی عادت مقرر کریں اور عوام کو لازم ہے کہ علما سے ہر کام میں پوچھ پوچھ کر عمل کریں۔

۳۳۔ علم سیکھنا | قرآن "آپ کہہ دیجئے کہ کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہو سکتے ہیں" (زمر) حدیث ۱ علم کی تلاش اور فکر ہر مسلمان پر فرض ہے" (ابن ماجہ) حدیث ۲ "لوگو فرائض (یا میراث) کا علم اور قرآن خود سیکھو اور دوسروں کو سکھاؤ (ترمذی) مطلب (۱) علم سے مراد علم دین ہے۔ دین کا علم انسان کو دنیا میں بھی باعزت بناتا ہے اور آخرت میں بھی۔ (۲) صرف دین کا علم ہی حاصل کرنے کے قابل ہے یہ علم سنکر بھی حاصل کیا جا سکتا ہے اور پڑھ کر بھی۔ پڑھنے میں جس زبان میں علم دین آسان ہو ان زبانوں سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ (۳) علم اگرچہ جاننے کو کہتے ہیں مگر علم صرف اس لئے ضروری ہے کہ جاننے کے بعد ہر بات پر عمل بھی کرنا چاہئے۔ (۴) زندگی کے ہر معاملے میں یعنی نماز اور روزہ سے لیکر بیاہ شادی، موت، کھانا پینا، دوستی، دشمنی سب میں شرعی حکم اور درجہ پوچھتا رہے اور برابر عمل بھی کرتا رہے (۵) ہر مسلمان کو پانچ وقت کی نماز کے فرض ہونے کی وجہ سے ضروری ہے کہ جسم کپڑے اور جگہ کی صفائی پاکی کے مسائل نماز کے درست یا خراب ہونے کے قاعدے، امامت کے مسائل جانے۔ پس گویا اس نماز کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ہر مسلمان کو قانون داں، واقف کار، ذرا ذرا سے فرق کو سمجھنے والا بنانا چاہا ہے۔ (۶) ضروری علم دین کے بعد علوم دنیا جغرافیہ، تاریخ، ہندسہ، حساب، کیمیا

طبیعی (کیمسٹری اور فزکس) وغیرہ بھی حاصل کر سکتا ہے۔ بلکہ ان علوم کیلئے تو دین کے علم اور عمل اور خوفِ خدا کی زیادہ ضرورت ہے۔ ورنہ علومِ طبیعی و کیمیا میں ماہر ہو کر انسان ویسا نیک اور خدا ترس نہ بن سکے گا جیسے مسلمان طبیعین و کیمیا دین تھے بلکہ آجکل کے یورپ کی طرح درندے اور جانور خونخوار قسم کا انسان بنے گا۔ ایسے ہی علم کے بارے میں آنحضرت ؐ کا فرمان ہے کہ "ان من العلم جہلاً" (ابوداؤد) خوب سن لو کہ بعض علم جہالت بھی ہوتا ہے" چنانچہ مشاہدہ ہے کہ یورپ سے جہالت وحشت بربریت پھیل رہی ہے۔ (۷)

ایک قسم کا علم تجربہ اور عبرت اور نظر میں وسعت کا حصول بھی ہے۔ جو سفر و سیاحت کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے۔ اس کے متعلق قرآن میں ہے "زمین میں سیر کرو اور نظرِ عبرت سے (دین کو) جھٹلانے والوں کا انجام دیکھو" دوسری جگہ ہے "یہ لوگ زمین میں سیر کیوں نہیں کرتے کہ ان کے دل ایسے ہو جائیں کہ جن سے یہ سوچ سکیں" مگر خوب یاد رہے کہ اسلام نے صرف اسی سیاحت کی ہمت افزائی کی جو عبرت آموزی کیلئے ہو محض سیر و تماشا کیلئے سفر کی اجازت اسلام نے نہیں دی ہے۔ اس کے متعلق تو یہ قول (غالباً حدیث) یاد رکھنے کے قابل ہے کہ "ایسی سیاحت کے بدلے اللہ نے ہم کو جہاد و تبلیغ کا کام سپرد کیا ہے" (۸) اسلام میں دینی سفر ان اغراض کیلئے ہیں:۔ طلب علم، جہاد و تبلیغ، اشاعتِ دین، سفارت، حج اور حصول عبرت

۴۳۔ علم سکھانا | قرآن "خسارہ سے بچیں گے وہ جو.... دوسروں کو سچے عقائد اور اعمال شاقہ کے بارہ میں حکم سنائیں" (عصر) حدیث ۱: جو شخص کوئی بات جانتا ہے اس سے جب کوئی کچھ دریافت کرے اگر وہ چھپائیگا تو قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی لگام چڑھائی جائے گی" (ترمذی) حدیث ۲: اللہ تعالیٰ کے فرشتے اور آسمان اور زمین والے اور دیگر مخلوق یہاں تک کہ چیونٹی اور مچھلی بھی اس شخص کیلئے دعائے خیر کرتے ہیں اور اللہ خیر نازل کرتا ہے اس پر جو لوگوں کو خیر (علم دین) کی تعلیم دیتا ہو" (ترمذی) مطلب (۱) علم ضروری جاننا۔ اس کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کرنا مسلمانوں کیلئے دین اور عبادت ہے اور دنیا کی

Scanned with CamScanner

تمام قوموں سے بڑھ کر مسلمان اس کو لازم سمجھتے ہیں (۲) قومی ترقی کیلئے علم سکھانا۔ مدرسے کھولنا۔ مفید کتابیں لکھنا بہت ضروری گر ترقی کا ہے۔

۳۵۔ دعا کرنا | قرآن "مجھے پکارا کرو میں جواب دونگا" (البقرہ) حدیث "اللہ تعالیٰ کے نزدیک دعا سے بڑھکر کوئی مکرم اور قابل قدر چیز نہیں ہے" (ترمذی) مطلب (۱) دعا ہر بات کی مانگنی چاہئے بشرطیکہ حرام اور منع نہ ہو۔ (۲) دعا دل لگا کر کرنی چاہئے۔ (۳) دعا سے پہلے خدا کی تعریف رسول ﷺ پر درود اور اپنے قصور کی معافی مانگ لینی چاہئے۔ (۴) ہر دعا قبول ہوتی ہے کبھی تو مانگی ہوئی چیز بعینہٖ ملتی ہے۔ کبھی دعا سے آنے والی بلا ٹلتی ہے کبھی اس کے بدلے کسی نیکی کی توفیق ملجاتی ہے اور کبھی آخرت کیلئے جمع ہوجاتی ہے۔ (۵) ہر دعا کیلئے ہاتھ اٹھانا ضروری نہیں ہے۔ دل سے زبان سے بھی دعا مانگی جاسکتی ہے۔

۳۶۔ ذکر کرنا | قرآن "تم میرا ذکر کرو میں تمھارا ذکر کروں گا" (البقرہ) حدیث "ہر چیز کے مانجنے کیلئے ایک چیز ہوتی ہے اور دل کے مانجنے کیلئے اللہ کا ذکر ہے" (بیہقی) مطلب (۱) اللہ کے ذکر میں سبحان اللہ پڑھنا یا الحمدللہ یا اللہ اکبر یا لاالٰہ الا اللہ یا استغفراللہ یا لاحول ولاقوۃ الا باللہ پڑھنا یا درود پڑھنا سب داخل ہے۔ (۲) اللہ کے ذکر کے معنی یہ بھی ہیں کہ کاروبار، کھیل، تفریح، نیند اور سستی وغیرہ کے موقعوں پر جہاں عام طور پر اللہ تعالیٰ کو اور اس کے احکام کو یاد رکھنا مشکل ہوتا ہے وہاں کوشش کرکے یاد رکھے اور عمل کرے عیش و راحت کے زمانہ میں یا تنگی و تکلیف کے زمانہ میں خدا کے احکام کو دل پر جبر کرکے عمل میں لائے۔ اسی کا خوف دل میں رکھے اور اس کو خوش کرنے کے سوا دوسرا کام نہ کرے۔ (۳) اللہ کی یاد سے ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اتنی دیر گویا گزشتہ مشقت کے بعد تازہ دم ہونے کیلئے آرام بھی مل جاتا ہے اور ذہن و خیال، دل و دماغ پر حسب فرمان رسول جلا اور صیقل بھی ہوجاتی ہے (ذیل کے شعر میں

ذکر اللہ ہی کو شغلِ جام دینا گیا ہے) سہ
عقل ہو غرقِ تجلی روح پا جائے جلا بیٹھ کر اک لحظہ شغلِ جام دینا کیجئے (اصغر)

۳۷۔ لغو کلام سے بچنا | قرآن "اللہ کے وہ بندے لغو سے بچتے ہیں"۔ (مومنون)

حدیث "اپنی زبان قابو میں رکھو۔ نیز تمھارے گھر میں تمھاری گنجائش ہونی چاہئے اپنی خطا پر رویا کرو"۔ (ترمذی) مطلب (۱) زبان سے جھوٹ، بہتان، غیبت، گالی، جھوٹی قسم، جھوٹی گواہی، عیب گوئی، طعنے، جھوٹا وعدہ، فضول سوالات، بیجا تعریف خوشامد چغل خوری، ننگی اور بیحیائی کی باتیں وغیرہ بہت سے گناہ کبیرہ ہوتے رہتے ہیں۔ ان سب سے بچنا جزوِ ایمان ہے۔ (۲) لغو کلام سے پہلے تو دل خراب اور گندہ ہوتا ہے پھر اخلاق گندہ ہوتے ہیں۔ پس یہ لغو کلام قوم اور فرد کی تخریب کی بنیاد ہے مسلمان چونکہ اپنا دل، مال، وقت، جان سب کچھ اللہ کے ہاتھ بیچ چکا ہے اُسے تخریبی کاموں میں وقت عزیز گنوانا زیبا نہیں ہے۔ (۳) انسان کو گھر میں زیادہ وقت صرف کرنا چاہیے تاکہ بیوی بچوں کی تعلیم و تربیت میں لگے پس نہ باہر بیٹھے گا نہ زبان کے زیادہ گناہ میں مبتلا ہوگا۔ (۴) گانے کے بارہ میں احکام یہ ہیں (الف) خود کچھ گانا یعنی اصولِ موسیقی سے شعر گیت پڑھنا اپنی تفریح کیلئے جائز (ب) دوسرے سے سننا اور دوسرے کو سنانا (اگر اور فسادات سے خالی ہو تو) فعل لغو اور قابلِ احتراز (ج) پیشہ کیلئے گانا بھی ناجائز اور سننا بھی (د) باجے سب حرام۔ دف نکاح میں جائز (ہ) امرد اور غیر عورت سے گانا سننا حرام اور مضر (و) گندے یا کفریہ شعر اور گیت حرام اور مضر۔ (۵) شاعری میں دین کیطرف مائل کرنے والی شعر گوئی اور شعر خوانی گو جائز ہے مگر اس قسم کے اشعار کے ایک پورے دیوان پڑھنے سے زیادہ مفید اور باعثِ ثواب ایک بار سبحان اللہ کہہ لینا ہے۔ اس لئے کہ اس کو رسول نے بحکمِ خدا فرمایا ہے مگر شعر کے بارہ میں نہیں فرمایا۔ (۶) بلا وجہ اپنے گناہوں کا تذکرہ و اعلان گناہ ہے۔

۳۸ - نفاست وطہارت | قرآن "اللہ خوب صاف ستھرا رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔" (النساء) حدیث "طہارت وستھراپن آدھے ایمان کی برابر ہے (مسلم) حدیث کسی نے پوچھا کہ آدمی کا جی چاہتا ہے کہ اس کا لباس جوتہ وغیرہ اچھا ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ 'اللہ خود صاحب جمال ہے اور نفاست وجمال کو پسند بھی کرتا ہے (مسلم) مطلب (۱) ستھراپن اور پاکی میں جسم کی صفائی (مثلاً دانت مانجنا مسواک سے۔ کلی کرنا۔ ناک صاف کرنا، سر اور مونچھ کترانا۔ ناخن کٹوانا۔ ڈاڑھی کو خوشنما رکھنا۔ نہانا، ختنہ کرنا۔ بغل کے بال، ناف کے بال بنانا۔ پیشاب پاخانہ کے بعد مٹی پتھر پانی سے بدن صاف کرنا) گھر کی صفائی (مثلاً گھر کے اندر کوڑے کرکٹ سے گردے۔ جالے سے مکان صاف رکھنا۔ گھر کے باہر دروازے کے سامنے کو ستھرا رکھنا) لباس کی صفائی (مثلاً صاف کپڑے ہوں گو کم دام یا پرانے پیوند والے ہوں۔ مگر دھلے ہوں۔ پسینہ کی بو میل اور داغ سے صاف ہوں۔ جوتہ صاف ہو۔ ٹوپی یا صافہ تیل یا پسینہ یا گرد سے صاف ہو) سب داخل ہے۔ (۲) قوم کی ترقی کیلئے افراد کی طبیعت اور خصلت کی بہتری اور عمدگی ضروری ہے اور اس میں صفائی ستھرائی کو بہت دخل ہے جسم، لباس اور گھر کی گندگی دراصل اس کی طبیعت، جبلت، فطرت کی گندگی کا پتہ دیتی ہے جو علامت ہے پستی کی۔ (۳) اسلام سے بڑھ کر صفائی کسی تعلیم میں نہیں ہے۔ (۴) مسلمان کو زیبا نہیں کہ ایسے خراب حال میں رہے کہ دوسرا اس کو ذلیل سمجھے۔ نفاست کا مستحق اس سے زیادہ کوئی نہیں۔

۳۹ - نماز کی پابندی | قرآن "نماز کی پابندی کا حکم اپنے گھر والوں کو بھی کرتے رہو اور خود بھی اس پر جمے رہو۔" (طٰہٰ) حدیث "اپنی اولاد کو جب وہ سات برس کے ہو جائیں نماز پڑھاؤ دس برس کی ہوں تو نماز کی پابندی کا حکم ان کو مار کر کرتے رہو اور ان کو لیٹنے سونے میں ایک دوسرے سے الگ رکھو۔" (ابوداؤد) مطلب (۱) نماز دراصل تین چیزوں کے

مجموعہ کا نام ہے۔ جسم کی مخصوص حرکتیں۔ زباں کی مقررہ حرکتیں۔ دل کی مقررہ حرکت یہ تینوں چیزیں ساتھ ہونگی تو اسے نماز کہیں گے۔ ورنہ صرف جسم کی مخصوص حرکات ہوں تو پھر وہ ورزش ہوگی۔ صرف زبان کی مقررہ حرکت ہو تو وہ عام ذکر اللہ ہے۔ صرف دل کی مقررہ حرکت ہو تو وہ فکر و مراقبہ ہے۔ صرف زبان اور دل کی مقررہ حرکات ہوں تو وہ ذکر و فکر ہے۔ صرف زبان اور جسم کی مقررہ حرکات ہوں تو وہ فقہی نماز تو ہوگی اصلی نماز جس پر فائدے ملیں نہ ہوگی۔ اور صرف جسم اور دل کی مقررہ حرکات تو وہ بھی ذکر اور فکر سے زیادہ کچھ نہیں۔ (۲) نماز پڑھتے میں نیت اللہ کی یاد اور اللہ کو محسوس کرنا لازم ہے۔ (۳) نماز کے متعلق قرآن میں سات سو آیات ہیں۔ اس کا حکم دن میں پانچ وقت ہے۔ پس معلوم ہوا کہ یہ اللہ کی طرف سے مسلمان کیلئے بے انتہا ثواب الدنیا اور ثواب الآخرہ ہے۔ یہ انسان کیلئے جسمانی غذا سے بھی زیادہ اہم اور مفید ہے۔ کیونکہ کھانا دن میں دو ہی تین بار ہوتا ہے اور یہ پانچ بار۔ (۴) نماز کو خدا کا حکم سمجھ کر اس کے ذکر اور اسکی رضا کیلئے پڑھنے سے اللہ خوش ہوتا ہے اور بے شمار فوائد دیتا ہے جن میں سے چند فوائد دنیوی یہ ہیں۔ سحر خیزی یعنی اتنے سویرے سو کر اٹھنا کہ حوائج انسانیہ سے فارغ ہو کر بہت سے مسلمان اکٹھے ہو کر دوگانہ ادا کر لیں تب سورج نکلے۔ گویا یہی نماز مسلمان کو زندگی اور ترقی کی دوڑ میں دوسری قوموں سے دو تین گھنٹہ زیادہ کا موقع دیتی ہے۔ صبح کی ہوا سے لطف اندوزی مسجد جانے آنے میں۔ اجتماع میں نماز کی ادائیگی میں سہولت۔ اہل محلہ سے دن میں پانچ بار ملاقات اور حالات سے باخبری۔ شاہ و گدا کی مساوات اور دوش بدوش کھڑا ہونا۔ ادنیٰ اشارہ پر صف بندی کی مشق۔ ملکر کھڑے ہونے میں دلوں کا ملنا (کیونکہ دور دور یا آگے پیچھے کھڑے ہونے میں رسول نے فرمایا ہے کہ دلوں میں انتشار و اختلاف پیدا ہوتا ہے) امارت و لیڈرشپ اور ساتھ

Scanned with CamScanner

ساتھ اطاعت اور ڈسپلن یعنی دن میں پانچ مرتبہ اس کی مشق کہ ایک طرف ایک موزوں
شخص قوم سے اپنے صحیح اشاروں پر کام لے اور دوسری طرف قوم اپنے اندر سے ایک
موزوں ترین انسان کے انتخاب کا فیصلہ کیا کرے۔ پھر بخوشی اس کو بلا مقابلہ صحیح امیر
ہو جانے دے اور بخوشی اس کی ماتحتی میں کام کرے۔ اسی سے اشارہ ہے کہ امیر یعنی
لیڈر، افسر، کپتان کے بغیر کبھی مت رہو۔ حدیث ہے کہ سفر میں تین آدمی چلو تو ایک
کو امیر بنا لو۔ یورپ کا ہر کام میں کپتان، پریسیڈنٹ مقرر کرنا اسی حکم رسولؐ سے
ماخوذ ہے۔ فقہ میں امام وامیر کے خصائص درج ہیں کہ سب سے موزوں وہ ہے جو نماز
(اس کام) کا زیادہ علم رکھتا ہو پھر وہ جو قرآن سنوار کر پڑھ سکے۔ پھر وہ جو حرام
ورنا پسندیدہ بلکہ شبہ والی باتوں سے بھی بچتا ہو۔ پھر وہ جس کا نسب اچھا ہو
مطلب یہ کہ جو ہر دلعزیز بن سکے۔ جس میں زیادہ صلاحیت ہو جو موقع پڑے پر
مقدمات وحالات کا صحیح فیصلہ، انصاف کر سکے۔ یا صحیح مشورہ دے سکے۔ وقت
کا اندازہ نماز کیلئے تھوڑی تھوڑی دیر پر اٹھتے رہنا انسان کو متنبہ اور باخبر رکھتا
ہے کہ بیش قیمت وقت کتنا گزرا کتنا باقی ہے۔ تاکہ باقی وقت کام میں لگانے کی فکر
ہو۔ وقت گنوانے سے بچ سکے۔ وضو اور مخصوص حرکاتِ جسم کی بدولت کاہلی اور
سستی گندگی اور بیکاری کے مقابلہ میں حفظانِ صحت اور جسمانی اعضا میں عمل
اور حرکت کی مشق۔ اس کی عادت کہ میں اسی طرح ہر خدائی حکم اور خدائی پکار پر
لپکا کروں گا۔ جیسا کہ علم سیکھنے کے ضمن میں گزرا نماز کی بدولت مسلمان زیادہ
قانون داں عاقل بنجاتا ہے۔ خلوص اور للہیت کی مشق۔ نماز میں نماز واسطے اللہ کے
کہلانے اور یاد دلانے سے مذہب یہ چاہتا ہے کہ نماز سے نکلنے کے بعد بھی ہر کاروبار میں
ہر دنیوی کام میں صرف اللہ کو خوش کرنے کی نیت کرے۔ اپنی عاجزی وعبدیت
زبان سے سبحان اللہ یا سبحان ربی الاعلیٰ وغیرہ کہہ کر دل میں اس کا تصور کہ بے عیب تو صرف

خدا ہے ۔ میں عیب سے پُر ہوں ۔ زبان سے اللہ اکبر کا ذکر کرکے دل میں اس کا یقین کہ بڑا تو صرف اللہ ہے میں چھوٹا اور ذلیل ہوں اور اس کے ثبوت میں جسم کو جھکانا سجدہ کرنا ہے ۔ زبان سے الحمد للہ کا ذکر کرکے دل میں اس کا یقین کہ خوبیاں ساری اللہ ہی کی ہیں اور اللہ ہی کی ہیں ، مجھ میں کوئی خوبی نہیں ۔ (۵) ان صفات پر غور کرو کہ فرد اور قوم کی ترقی کیلئے یہ تصورات اور یہ اعمال کتنے ضروری ہیں ۔ پھر ایمان پیدا کرو کہ نماز کیلئے پکار میں جو یہ کہا جاتا ہے کہ 'حی علی الفلاح' اپنے فلاح و ترقی کیطرف آؤ تو یہ کسی طرح مبالغہ یا غلط نہیں ہے اور یہ کہ ترقی کیلئے نماز ازبس ضروری ہے (۶) عورتوں اور بچوں کو نماز کی تاکید کرتے رہنا چاہئے ۔ ان کو برابر سختی سے لوٹکتے رہنا چاہئے ۔ (۷) فرض نماز کے علاوہ نفلیں بھی پڑھنی چاہئیں ۔ نفل سے اللہ کا قرب زیادہ ہوتا ہے ۔ (۸) نماز کسی درویش فقیر سے کبھی معاف نہیں ہو سکتی ۔ کیونکہ خود رسولؐ سے وصال کے وقت تک معاف نہیں ہوئی ۔

۴۔ سخاوت ، صدقہ ، ایثار | قرآن "صدقات تنگدستوں کا حق ہے" (توبہ) حدیث پاک مال نیک آدمی کے پاس بہت اچھی چیز ہے"۔ (احمد ، حدیث ۲ خوب سن لو کہ مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی کچھ حقوق ہیں" (ترمذی) حدیث ۳ جس کو اللہ نے مال دیا ہو اور وہ زکوٰۃ نہ دے تو قیامت کے دن اس کا مال گنجا چتکبرا سانپ بن کر اس کے گلے میں پڑیگا اور وہ سانپ اس کی دونوں باچھیں پکڑیگا اور کہیگا میں ہی تیرا مال ہوں"۔ (بخاری مسلم) مطلب (۱) صدقہ میں بعض تو فرض ہیں جیسے زکات ، صدقہ فطر ، مختلف کفارے اور جرمانے ، نذر و منت (۲) بعض صدقے نفل ہیں مثلاً کوئی عام کار خیر ، قرض دینا ، مہمانی دعوت و ہدیہ ، دوسرے کی حاجت برآری ، نیک کاموں میں شرکت و چندہ (۳) آج مسلمان چونکہ بعض غیر شرعی کاموں میں (مثلاً شب برات ، محرم ، شادی ختنہ وغیرہ میں بیجا اور فضول خرچی کرتے ہیں ۔ اس لئے ان کو زکات یعنی لازمی ٹیکس اور

خیرات و مبرات یعنی اختیاری ٹیکس جیر گزرنے لگے ہیں۔ (۴) قرآن میں برابر نماز کے ساتھ زکات کا ذکر ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے زکات سے انکار کرنے والوں سے جہاد کیا، گویا ان کو کافر سمجھا۔ (۵) زکات اسلام کا تیسرا اہم اور بنیادی رکن ہے اور قومی ترقی کیلئے نہایت اعلیٰ شے ہے۔ (۶) زکات روپیہ، زیور، جانور، کھیت، باغ وغیرہ سب پر ہے جس کی تفصیل قانونِ فقہ میں ہے۔ (۷) فرض صدقات مسلمان امرا سے لیکر صرف مسلمان غریبوں کو دیا جائیگا۔ کفار کو نہیں، ہاں نفل صدقے غیر مسلم کو بھی دئے جا سکتے ہیں جب مسلم حاجتمند نہ رہے۔ اس طرح کافر سے مواسات، احسان، رواداری اور رحم و شفقتِ عمومی پر بھی عمل کر سکتے ہیں۔ (۸) زکات ہر شخص الگ الگ نکالے اور ادا کرے تب بھی ادا ہوتی ہے اور ایک نظم و اجتماعی شکل میں امیر کے ماتحت تحصیل کر کے بیت المال یا "مسلم غربا فنڈ" میں جمع کر کے سب کے مشورہ سے تقسیم کر کے بھی ادا ہوتی ہے۔ اگرچہ بیت المال میں جمع کر کے ادا کرنا بہتر ہے۔ مگر اس کے لئے ایماندار امیر ایماندار خزانچی، بے لاگ اور بے غرض مشورہ دینے والوں کی ضرورت ہے جو افسوس آج مسلمانوں میں کم بلکہ ناپید ہیں اس لئے بیت المال قائم کرنے میں بظاہر خرابی کا زیادہ امکان ہے۔ (۹) زکات کی صحیح تحصیل و تقسیم سے گداگری، سودی قرض، بنیکنگ، ساہوکارہ سب کا انسداد ہو جاتا ہے۔ مسلم افراد مالدار بنجائیں اور اجتماعی حالت سدھر کر ترقی و فلاح کا راستہ کھل جائے۔ (۱۰) فرض صدقات کے مصارف اور مواقع خرچ یہ ہیں :-
مسکینؔ و تہیدست۔ فقیرؔ و تنگدست و پریشان۔ بیتؔ المال کا عملہ و تحصیلدار وغیرہ کی تنخواہ۔ بے مقدور نو مسلم یا وہ جن کے دلوں کو ملانا ضروری ہے۔ غلامیؔ یہ جرمانہ سے بچانا۔ ایسا مقروضؔ جو ادائے قرض کے بعد محتاج ہو جائے۔ تبلیغؔ، جہاد، اشاعتِ دین کے مختلف شعبے، وطنؔ سے دور حاجتمند مسافر (۱۱) دین کے پابند مسلمان کو دولتمند ہو جانا بطور پیدا بڑھانے بلکہ بڑھانے سے اسلام نے نہیں روکا۔ مگر دولت کی محبت

Scanned with CamScanner

بخل اور قوم کی حاجت کے باوجود سرمایہ دار بنے رہنے سے روکتا ہے۔ (۱۲) عام کار خیر
کرنا سخاوت کرنا، دعوت کرنا، ہدیہ دینا، نیک کاموں میں چندہ وغیرہ دینا وغیرہ نیکیاں مقبول
ہیں۔ (۱۳) بخل لالچ، مال کی بیجا محبت، سرمایہ داری، سود خواری ایک قوم کی خطرناک
رذائل ہیں۔ اور ایثار و زکات سے ان سب کی جڑ کٹتی ہے۔

۴۱۔ روزہ | قرآن "تم پر روزے فرض کیے گئے جس طرح تم سے پہلی قوموں پر
فرض تھے" (البقرہ) حدیث اللہ فرماتا ہے کہ روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کی
جزا ہوں" (مسلم) مطلب (۱) بعض گستاخوں کا یہ کہنا کہ "روزہ وہ رکھے جو محتاج ہو"
کفر تک پہنچاتا ہے۔ (۲) فرض روزے چار ہیں: رمضان کے مہینہ بھر کا روزہ۔ نذر و
منت کا روزہ۔ کفارہ اور جرمانہ کا روزہ۔ قضا کا روزہ۔ (۳) نفل روزے چار ہیں
شوال میں چھ روزے۔ بقر عید میں یکم سے نویں تک نو دن کا ورنہ صرف نویں کا
ایک۔ محرم میں نویں دسویں یا دسویں گیارھویں کے دو۔ شعبان کی پندرھویں۔
(۴) حرام روزے تین ہیں۔ عید فطر کا روزہ۔ عید اضحیٰ کی دس، گیارہ، بارہ، تیرہ
(چار دن) کا روزہ۔ خدا کے سوا کسی دوسرے کے نام کا روزہ۔ (۵) روزہ دراصل
اس کا نام ہے کہ خدا کا حکم ملنے پر خواہشاتِ نفسانی کو روک لیا جائے۔ اس لئے کھانے
پینے اور جماع کے چھوڑنے کے ساتھ ساتھ لڑائی، گالی گلوچ، بیجا غصہ وغیرہ سے بھی بچنا
ضروری ہے ورنہ قانونی روزہ تو ہو جائیگا اصلی روزہ نہ ہوگا جس پر فائدے ترقیاں
ملیں۔ (۶) خدا کو خوش کرنے کی نیت سے رسولؐ ان روزوں کے علاوہ ہر ماہ میں
تیرہ، چودہ، پندرہ اور اکثر ہر ہفتہ میں دوشنبہ پنجشنبہ کو بھی روزہ رکھتے تھے اور سنت
تھے۔ پس روزے کی تمام برکتوں میں حفظِ صحت بھی ہے جو ترقی فرد و قوم کیلئے ضروری ہے

۴۲۔ حج | قرآن "لوگوں کے ذمہ اللہ کا ایک حق حج کعبہ ہے جب ان کے پاس
راستہ کا خرچ ہو" (آل عمران) حدیث "جس نے خدا کی رضا کی خالص نیت سے حج کیا

اور شہوت کی باتیں نہ کیں اور کسی سے جھگڑا لگائی گلوچ بھی نہ کیا تو گناہوں سے ایسا پاک ہوگا جیسے ماں کے پیٹ سے پاک پیدا ہوا (بخاری مسلم) مطلب (۱) جس کے پاس اتنا نقد مال موجود ہو یا بنک میں جمع ہو جس سے مکہ تک آمد و رفت خوراک کا خرچ چل سکے تو اس پر حج فرض ہے۔ ایسے شخص کو بڑھاپے کا یا مشاغل سے فرصت کا یا مدینہ شریف کے خرچ سفر جمع ہونے کا انتظار کرنا ادائے فرض میں تاخیر کرنا ہے۔ (۲) اگر مکہ شریف تک کا خرچ ہو تو مدینہ شریف کیلئے سفر خرچ کا قرض سے انتظام کر کے فوراً چلدے اللہ ادا کرا دیگا۔ (۳) سچے دل سے ادائے فرض کی نیت اور خدا کو خوش کرنے کی نیت سے حج کا ایک ثواب و نفع حدیث میں مالدار ہونا بھی آیا ہے۔ (۴) تمام عالم کے مسلمانوں کا اجتماع دیکھ کر اصولِ قومیت دل میں مضبوط ہوتے ہیں۔ ایک مسرت ہوتی ہے۔

۳۴۔ اعتکاف | قرآن "میرے گھر کو صاف ستھرا رکھو۔ طواف کرنے والوں، میرے در پر آپڑنے والوں اور نمازیوں کیلئے" (حج) حدیث "رسولؐ ہمیشہ رمضان کے آخری دس دن برابر خدا کے گھر مسجد میں جا بیٹھتے تھے اور آپ کی ازواج بھی آپ کے بعد برابر اعتکاف کرتی تھیں" (بخاری مسلم) مطلب (۱) اعتکاف معنی ہیں مالک کے در پر جا پڑنا۔ مالک کو خوش کرنا۔ (۲) اعتکاف مسلم کی قومیت اور ترقی کے حاصل کرنے کے طریقوں کا صحیح رُخ بتاتا ہے کہ مسلم قوم دنیاوی تدابیر سے ترقی ڈھونڈنے والی نہیں بلکہ یہ خدا کے ڈر سے ترقی سربلندی حاصل کرنے والی جماعت ہے۔ (۳) اعتکاف ہی میں شب قدر تلاش کرنی چاہئے۔ (۴) شب قدر کی برکات تلاش کرنے کیلئے بہتر تو یہی ہے کہ تمام شب جاگ کر خدا سے دعا میں گزارے۔ لیکن اسکی بھی اجازت ہے کہ جب نیند کا غلبہ ہو تو سو بھی لے مگر جہاں تک ہو سکے کم سے کم سوئے اور زیادہ سے زیادہ جاگے اور عشا اور فجر کی جماعت سے نماز ضرور ادا کرے۔ (۵) یہ اعتکاف دوسری قوموں کی رہبانیت کی نہایت معتدل اور لطیف شکل ہے۔ (۶) رمضان کے آخری دس دن میں

Scanned with CamScanner

ہر بستی یا بڑے محلہ سے ایک آدمی کا معتکف ہونا واجب ہے ورنہ سب گنہگار ہونگے۔ (۷) منت کا اعتکاف فرض ہوتا ہے۔ (۸) مستحب اعتکاف یہ ہے کہ مسجد میں جب اور جتنی دیر کو جائے اعتکاف کی نیت سے جائے چاہے روزہ ہو یا نہ ہو۔

۴۴۔ ہجرت | قرآن "کیا اللہ کی زمین وسیع نہیں تھی کہ تم اپنا گھر بار چھوڑ کر دوسری جگہہ چلے جاتے (النساء) حدیث "ہجرت کا حکم اس وقت تک برابر رہیگا جب تک توبہ کا دروازہ کھلا ہے اور توبہ کا دروازہ اس وقت بند ہوگا جب سورج پچھم سے نکلیگا" (ابوداؤد) مطلب (۱) اللہ کے دین کو برباد ہونے اور اس کی تعمیل کو رکاوٹوں سے بچانے کیلئے ہر مسلمان پر ضروری ہے کہ جن باتوں سے اللہ نے اور اس کے رسول نے منع کیا ہے ان کو ترک کرے۔ (۲) جس جلسہ مجمع محلہ یا شہر میں دین کے ضایع ہونے کا ڈر ہو اور احکام اسلام آزادی سے عمل میں نہ لائے جا سکیں وہاں سے بشرط قدرت دوسری جگہہ چلا جائے۔ (۳) اگر مقتدا ہے کہ لوگوں کی دینی ضرورتیں اس سے پوری ہوتی ہیں تو مجبوراً انھیں میں رہ کر صبر کرے۔ (۴) ہر نبی نے ہجرت کی ہے۔ (۵) ہجرتِ وطن سے وطنیت کا بت ٹوٹتا ہے اور ہجرتِ عمل سے نفس کا۔ (۶) ترقی کا راز ترکِ وطن میں ہے اور ترقی کا نعرہ یہ ہے کہ ع ہر ملک ملکِ ماست کہ ملکِ خدائے ماست۔

۴۵۔ نذر و منت پوری کرنا | قرآن "ان کو چاہئے کہ اپنی منتیں پوری کریں (حج) حدیث "جو شخص منت مانے کہ اللہ کی اطاعت کریگا تو اطاعت کرے اور جو منت مانے کہ خدا کی نافرمانی کریگا تو ہرگز نافرمانی نہ کرے" (بخاری) مطلب (۱) نذر و منت ماننا فرض نہیں ہے۔ لیکن اگر مانے تو اس کی اجازت ہے مگر تین شرط سے ایک یہ کہ نذر صرف اللہ کی مانے۔ پس کسی نبی یا ولی کی منت یا نذر ماننا حرام ہے۔ دوسرے یہ کہ صرف انھیں باتوں کی مانے جن کا حکم شریعت میں ہے۔ مثلاً نماز پڑھنا روزہ رکھنا

اعتکاف کرنا، حج کرنا، صدقہ خیرات کرنا، غلام آزاد کرنا وغیرہ۔ تیسرے یہ کہ پھر اس نذر و منت کو ضرور پورا کرے۔ یہ واجب ہے۔ (۲) حدیث مذکور کی رُو سے صاف ظاہر ہے کہ ناچ کرنا، اماموں کا پیک بنانا، فقیر بنانا، قبر پر چادر چڑھانا، علم تعزیہ رکھنا، سر پر چوٹی رکھنا، کان میں بالا پہننا، خدائی رات منانا، مشکل کشا کا روزہ رکھنا، کونڈہ بھرنا وغیرہ کی منت ماننا بھی اور (اگر نادانی میں مان چکا ہے تو) ان کا پورا کرنا بھی حرام ہے۔ اس سے توبہ واجب ہے۔

۴۶۔ قسم کا لحاظ رکھنا | قرآن "اپنی قسموں کی پوری حفاظت کیا کرو" (انعام) حدیث "جو شخص غیر اللہ کی قسم کھاتا ہے وہ کافر و مشرک ہو جاتا ہے" (ترمذی) حدیث نمبر ۲ جو شخص قسم اس طرح کھائے کہ اگر میں جھوٹا ہوں تو مسلمان نہیں (یا ایمان نصیب نہ ہو کلمہ نصیب نہ ہو وغیرہ) تو اگر وہ جھوٹا ہے تو جیسا اس نے کہا وہ مسلمان نہیں اور اگر وہ سچا ہے تب بھی اسلام کی طرف صحیح و سالم واپس نہیں آ سکتا" (النسائی) مطلب (۱) اللہ کے سوا دوسرے کی قسم نہ کھانا چاہیئے۔ (۲) اللہ کی قسم بھی ضرورت پر اور سچی کھانا چاہیئے (۳) زیادہ قسمیں نہ کھانا چاہیئے۔ اگر کسی موافق شرع کام پر قسم کھائی ہے تب تو اُسے پورا کرے اور اگر ظلم، حق تلفی، ایذا، گناہ وغیرہ پر کھائی ہے تو اس کو ہرگز پورا نہ کرے بلکہ توڑ ڈالے۔ (۴) قسم کھانے میں ایرپھیر، اینچ پینچ، حیلے بہانے نہ کرے۔

۴۷۔ کفارہ دیت جرمانہ | قرآن "قسم کا کفارہ دس محتاجوں کو کھانا دینا۔ اوسط درجہ کا جو اپنے گھر والوں کو کھانے کو دیا کرتے ہو، یا ان کو کپڑا دینا۔ یا ایک غلام آزاد کرنا (مائدہ) آیت ۲ جو شخص کسی مومن کو غلطی سے قتل کر دے تو اس پر ایک مسلمان غلام کا آزاد کرنا ہے اور خوں بہا ہے جو مقتول کے گھر والوں کو حوالہ کر دیا جائے (النساء) مطلب (۱) اللہ نے ملکی انتظام قائم کرنے کے لئے جرمانہ، کفارہ کا حکم مقرر کیا ہے جس سے ایک طرف تو زمین میں برائیاں کم ہوں دوسری طرف

بعض گناہوں پر جرمانے مقرر کر کے غریبوں کی پرورش کا فنڈ اور غلاموں کی آزادی کی راہ نکالی ہے جس کو مختلف جرائم پر فدیہ وخوں بہا، کفارہ یعنی تاوان وجرمانہ، دیت وغیرہ کے نام دیئے گئے ہیں۔ (۲) مسلمانوں کو اپنی کوتاہیوں پر شرعی جرمانوں کے ادا کرنے میں نہ دل چھوٹا کرنا چاہئے نہ ان سے بچنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ (۳) قسم توڑنے کا کفارہ دس مسکینوں کو دو وقت پیٹ بھر کھانا کھلائے یا ایک ایک جوڑا کپڑا دے۔ یہ نہ ہو سکے تو غلام آزاد کرے یہ سب نہ کر سکے تب تین دن کے روزے رکھے۔ (۴) رمضان میں روزے توڑنے کا کفارہ یہ ہے کہ لگاتار دو ماہ کے روزے رکھے یہ نہ ہو سکے تو ۶۰ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ یہ نہ ہو سکے تو غلام آزاد کرے۔ (۵) بھول چوک سے قتل ہو جانے کا کفارہ یہ ہے کہ مسلمان یا حلیف کے قتل پر خونبہا کی رقم بھی ادا کرے اور ایک غلام بھی آزاد کرے۔ کافر کے قتل پر صرف ایک غلام آزاد کرے (۶) بیوی کو یا اس کے چہرہ اور پیٹھ کو ماں بہن کے چہرہ اور پیٹھ کی طرح کہنے کا کفارہ رمضان کے روزہ توڑنے کے برابر ہے۔

۴۸ - پردہ اور بدن چھپانا

قرآن "ہر نماز کے وقت اپنی زینت کر لیا کرو" (انعام) حدیث "ایک صحابی نے پوچھا "ہم اپنا ستر کس سے چھپائیں اور کس سے نہیں؟" آپؐ نے فرمایا سب سے چھپاؤ بجز بیوی اور لونڈی کے" پھر پوچھا "آدمی کبھی دوسرے مرد کے ہمراہ بھی رہتا ہے؟ فرمایا" اگر کر سکو تو یہ کرو کہ تمہارا ستر دوسرا نہ دیکھے" پھر پوچھا "آدمی کبھی تنہا بھی ہوتا ہے" فرمایا "اللہ سے بھی حیا کرنی چاہئے (ترمذی)

مطلب (۱) جن حماموں میں یا کنوئیں اور دریا کے گھاٹ پر بہت سے آدمی یکجا غسل کریں وہاں بغیر لنگی کے نہ نہائے۔ (۲) مرد کا ستر ناف سے لیکر گھٹنے تک ہے اس کا ڈھانکنا فرض اور کھولنا اور دوسرے کا یہ حصہ بدن دیکھنا حرام ہے۔ (۳) مرد کو بقیہ جسم گردن سے ناف تک اور گھٹنے سے آدھی پنڈلی تک چھپانا مستحب ہے (۴)

(۴) عورت کا ستر گردن سے ٹخنے کے نیچے تک ہے اس کا ڈھانکنا فرض اور کھولنا حرام ہے (۵) لونڈی سے مراد مانا لونڈی نوکرانی نہیں ہے بلکہ شرعی لونڈی ہے جو جنگ میں تقسیم سے ملے یا بازار میں خریدی جائے۔ (۶) اسلام نے لباس میں صرف ذیل کی چند باتیں منع کی ہیں :- مرد کو مخمل اور ریشم نہ ہو، چاندی سونا نہ ہو۔ گھٹنے سے اوپر اور ٹخنے سے نیچے نہ ہو۔ غیر قوموں کا مخصوص قومی یا مذہبی لباس نہ ہو، بہت سرخ اور شوخ رنگ نہ ہو، بہت باریک نہ ہو جس سے ستر نہ ہو سکے۔ اور بس۔ پس اسلام ترقی لباس یا مختلف قسم کے لباس سے روکتا نہیں۔ البتہ ان چھ ممانعتوں کے ساتھ یہ بھی کہتا ہے کہ چونکہ انسان کے باطن کا اثر ظاہر پر اور ظاہر کا اثر باطن پر برابر پڑتا رہتا ہے۔ اس لئے اگر تمہارا لباس ہر ملک کے اوباشوں اور بدمعاشوں کا سا نہ ہو بلکہ خدا پرستوں، نیکوں دینداروں کا سا ہو تو بہتر ہے تمہارے ہی لئے۔ اور سادہ ہو، موٹا ہو تو بہتر ہے۔ قوموں اور اجتماعی کاموں کیلئے سادگی اور موٹاپن بہتر ہے بمقابلہ زینت اور نزاکت کے۔ (۷) عورتوں کو پردہ بہت ضروری ہے، چہرہ کھولکر، بہت باریک کپڑے پہن کر یا آرائش کر کے اور خوشبو لگا کر اسے باہر نہ نکلنا چاہئے۔ غیر محرم سے ہنس کر اور بے تکلفی و آزادی سے باتیں نہ کرنی چاہئیں۔ ضرورت ہو تو روکھے، بکھرے لب و لہجہ میں ضروری باتیں غیروں سے کر سکتی ہے۔ (۸) عورتوں کی بے پردگی اور آزادی سے دوسروں سے ملنے اور بولنے سے قوم و ملک میں بدکاریاں اور فواحش بڑھتے ہیں۔ اس کا تجربہ یورپ اور امریکہ پیٹ بھر کر کر چکا ہے اور ہندوستان میں بھی اس وقت تک کافی تجربہ ہو چکا ہے۔ قومی ترقی کیلئے عورتوں کا پردہ میں اور مردوں سے دور رہنا بہت ضروری ہے۔ (۹) جس ملک و قوم میں بدکاری پھیلے گی وہاں تباہی پہنچی اور بقول رسول ؐ طاعون پھیل کر رہے گا۔ (۱۰) پردہ سے اسلام کا مقصود نیکی کا باقی رکھنا اور برائیوں کا روکنا ہے۔ نہ کہ عورتوں کو اپاہج، بزدل

نکما، بیوقوف نہیں بنانا چاہتا۔ بی بی فاطمہ کو آنحضرت صلعم نے باندی نہیں دی تھی اس میں راز یہی تھا کہ حضرت سیدہ رض (اور ہر عورت) کاہل اور سست نہ بننے پائیں بلکہ گھر کے اندر کے کام، جھاڑو دینا، برتن مانجنا، چکی پیسنا، کھانا پکانا وغیرہ کرتی رہیں اسی سے وہ تندرست رہیں گی اور یہ سب کریں گی تو امراض میں مبتلا رہیں گی۔ (۱۱) رسول صلعم کے لشکر کے ساتھ کئی بار۔ بی بی فاطمہ اور بی بی عائشہ جیسی عالی مرتبت خواتین زخمیوں کی مرہم پٹی کرنے اور پانی پلانے کو گئی تھیں مقصود یہ نکلا کہ قوم کی واقعی ضرورتوں میں اپنی حیا و عفت کی حفاظت کرتے ہوئے عورتیں بھی حصہ لے سکتی ہیں اور ان کو حصہ لینا بھی چاہیئے۔ رسول صلعم کے زمانہ میں ایسا ہی حصہ لیا گیا تھا۔ مگر اتنی اجازت سے آزادی اور آوارگی اور تفریح کا ناجائز فائدہ بھی نہ اٹھانا چاہیئے۔ یعنی کاہل بنیں نہ آوارہ ہوں۔

۴۹۔ قربانی قرآن "اے رسول! آپ کہہ دیجیئے کہ میری نماز، میری قربانی، میرا مرنا میرا جینا سب اللہ رب العلمین کیلئے ہے"۔ (انعام) حدیث "صحابہ رض نے پوچھا یا رسول اللہ! یہ قربانی کیا چیز ہے؟ فرمایا تمھارے باپ ابراہیم کا طریقہ اور سنت ہے" (ابن ماجہ)

مطلب (۱) اللہ کی دی ہوئی جان ہے اور اسی کا دیا ہوا مال ہے۔ انسان ان چیزوں کا صرف امین ہے مالک نہیں ہے۔ لہٰذا خدا کے حکم پر ان چیزوں کو خرچ کر دینا ضروری ہے۔ (۲) عقیقہ اور عید اضحیٰ میں اپنی اولاد کی جان کے بدلے اور اپنی جان کے بدلے خدا کے حکم کے مطابق ایک حلال جانور کی جان خدا کی راہ میں بھینٹ چڑھا دے۔ اس سے بلائیں دور ہوتی ہیں (۳) قربانی سے ایک طرف تو مال کی محبت دل سے نکلتی ہے دوسری طرف قوم اور ملک کے غربا کی مدد ہوتی ہے۔ (۴) نیز قربانی کرنے سے دل کی شقاوت کم اور مخلوق پر شفقت اور رحم بڑھتا ہے۔ چنانچہ مسلمان بمقابلہ دیگر اقوام کے رحمدل ہوتے ہیں۔ (۵) جب تک مسلمان اس حکم پر خوشی دل سے عمل کرتے رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ اس کے عوض مسلمانوں کے اوپر سے دشمنوں کا زور کم کرتے رہیں گے۔ چنانچہ آیات "وانحر ان شانئک ہو الابتر" اور "ان اللہ یدافع عن الذین

Scanned with CamScanner

آمنو" اس کی شاہد ہیں۔

۵۰۔ تجہیز و تکفین | قرآن "اللہ نے ایک کوا بھیجا جو (قابیل کے سامنے ایک مردہ کوے کو دفن کرنے کیلئے) زمین کھودرہا تھا۔ تاکہ وہ اس کو دکھائے کہ اپنے بھائی کی لاش کو کیونکر دبائے" (مائدہ) حدیث "جو شخص کسی مسلمان کے جنازے کے ساتھ چلے۔ ایمان کے ساتھ اور ثواب حاصل کرنے کی نیت سے اور پھر اس کے اوپر نماز پڑھے۔ دفن میں شرکت کرے تو اس کو دو قیراط بھر ثواب ملیگا۔ اور جو شخص دفن سے قبل چلا آئے اس کو ایک قیراط ثواب ملیگا" (بخاری مسلم) مطلب (۱) کفن سفید بہتر ہے چاہے نیا ہو چاہے دھلا ہوا استعمالی۔ (۲) مسلم کے کفن دفن میں شرکت ایک مسلمان کو اللہ کا حکم جان کر کرنی چاہیئے اور ثواب حاصل کرنے کی نیت سے کرنی چاہیئے محض رسم کیلئے شرکت کہ ہم آج ان کے یہاں نہ جائیں گے تو کل وہ ہمارے یہاں بھی نہ آئیں گے مسلمان کی شان نہیں۔ یہ شرکت رسم ہے دنیا داری ہے۔ دین نہیں ہے۔ (۳) دنیا میں پہلی انسانی لاش دفنائی گئی تھی جیسا اوپر قرآن کی آیت سے معلوم ہوا۔ اس لئے مردہ کو دفن کرنا ہی سب سے پرانا اور اصل طریقہ ہے۔ یہی تعلیم خداوندی ہے۔ (۴) اسی میں داخل ہے عیادت مریض، تعزیت میت، ضیافت اہل میت وغیرہ۔ (نمبر ۷۰ بھی دیکھ لو۔

۵۱۔ ادائے قرض | قرآن "امانتیں ان کے حقداروں کو پہنچا دو" (البقرہ) حدیث "خدا کی راہ میں مارا جانا سب گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ مگر قرض کو نہیں مٹا سکتا" (مسلم) حدیث ایک جنازہ حضورؐ کے پاس لایا گیا کہ آپ نماز پڑھادیں۔ آپ نے پوچھا اس میت پر قرض تو نہیں تھا۔ لوگوں نے کہا ہاں دو دینار قرض تھے۔ آپؐ نے فرمایا تم اس پر نماز پڑھ لو میں نہ پڑھاؤں گا۔ تو قتادہ نے عرض کیا "وہ دو دینار میں ادا کردوں گا" تب حضورؐ نے نماز پڑھائی" (ابوداؤد) مطلب (۱) قرض لیکر ادا کرنے کی نیت رکھنا اور کوشش کرنا اور مقدرت ہونے پر فوراً اس کا ادا کرنا فرض ہے۔ دیر کرنا، ٹالنا، نہ دینا، نہ دینے کی ٹھان

لینا گناہِ کبیرہ ہے۔ (۲) حدیث اول میں شہادت سے جن گناہوں کا مٹنا بتایا گیا ہے وہ بعض حقوق اللہ اور گناہِ صغیرہ ہیں۔ حقوق العباد اور بعض گناہِ کبیرہ نہیں۔ (۳) بلا ضرورت قرض لینا نکاح، شادی اور غیر اسلامی تقریبات اور تہواروں میں خرچ کرنے کیلئے قرض لینا بُرا ہے۔ (۴) اس کیلئے سودی قرض لینا دوہرا گناہ ہے۔ (۵) سودی معاملہ میں لین دین کے ساتھ اسکی تحریر اور اسکی گواہی سب گناہ ہے۔ (۶) کوئی کسی سے قرض مانگے اور اُسے معلوم ہو کہ یہ شخص اس رقم کو گناہ اور لغویات میں خرچ کریگا تو اسے قرض دینا بھی گناہ ہے۔

۵۲ کسبِ حلال و صدقِ معاملہ

قرآن "کم تولنے والوں کی خرابی ہے" (تطفیف) حدیث "سچا اور امانت دار سوداگر قیامت میں نبیوں، صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا" (ترمذی) حدیث ۲ اگر سوداگر اور گاہک دونوں سچ بولیں اور اپنے اپنے مال کا عیب ظاہر کر دیا کریں تو ایسے لین دین میں دونوں کیلئے برکت ہوتی ہے اور اگر دونوں عیب کو چھپا جائیں اور جھوٹ بولیں تو برکت مٹا دی جاتی ہے (بخاری مسلم) حدیث ۳ اللہ نے روزی کے دس حصے کئے ہیں جن میں نو حصے روزی تجارت میں ہے (بہشتی زیور جلد ۴) حدیث ۴ صحابہ نے پوچھا کون سی کمائی سب سے زیادہ حلال اور پاک ہے؟ فرمایا "دستکاری اور ہنر کی اور اس تجارت کی جو دغا فریب سے خالی ہو" (احمد) حدیث ۵ اللہ تعالیٰ پیشہ ور حرفہ کرنے والے مسلمان کو زیادہ دوست رکھتا ہے (کبیر)

مطلب (۱) حرفت، ہنر، دستکاری، تجارت، قوتِ بازو اور مشقت کی کمائی کی جتنی ہمت افزائی اسلام میں ہے، اور سوداگر کو ایمانداری اور سچائی کی جتنی تاکید اللہ نے بذریعہ رسول ﷺ فرمائی ہے اتنی کہیں نہیں ہو سکتی۔ اسلام میں ایمانداری کے ساتھ سوداگری بھی نماز روزہ کی طرح عبادت ہے۔ (۲) مسلمانوں کی فلاکت زدگی کا ایک راز یہ بھی ہے کہ اول تو وہ تجارت نہیں کرتے اور اس کو ذلیل سمجھتے ہیں اور اگر کرتے بھی ہیں تو نہ اس کو اصول اور قاعدہ سے کرتے ہیں اور نہ اس میں ایمانداری برتتے ہیں۔ (۳) تجارت کے چند موٹے اور مسلمہ اصول یہ ہیں (الف) کام میں جی لگائے محنت سے یا بازار کے مندے ہونے سے یا کبھی گھاٹا ہونے سے بددل نہ ہو (ب) نفع کم لے (ج) گاہکوں سے نرمی سے بولے اگر وہ مال دیکھ کر نہ لیں تو صبر کرے (د) ایمانداری اور سچائی سے کام کرے عیب ہو تو ظاہر کر دے۔ یہ باتیں مسلمانوں کے مذہبی حکم ہیں، مگر افسوس مسلمان اس سے غافل ہیں، یورپ اس پر عامل ہے۔ اس لئے خوشحال ہے۔ (۴) گاہک کے پاس کھوٹا سکہ ہو تو وہ بھی اسکو ظاہر کر دے

Scanned with CamScanner

(۵) سٹہ (مال کو بغیر دیکھے اور بغیر قبضہ کئے محض بھیک پر لین دین کرنا) کئی آدمیوں کا ایک چیز پر چھٹی ڈالنا کم تولنا سود لینا وغیرہ گناہ ہیں۔ ایسے لین دین میں برکت اور نفع مسلمان کو نہ ہوگا چاہے دوسری قوم کو ہو جائے۔
(۶) ظلم، حرام کمائی، حرام جانور اور چیزیں کھانے سے گناہ اور نقصان کے علاوہ نیکیوں اور عبادتوں کی توفیق اور عزت چھن جاتی ہے۔ (۷) اسلام میں ہنر اور پیشہ اور مشقت کی کمائی اور تجارت کو یہ کہہ کر کہ "انبیاءؑ نے محنت سے روزی حاصل کی ہے" نہایت قابلِ قدر لائقِ عزت و احترام بنا دیا گیا ہے۔ اس کے بعد مسلمانوں کا ہنر یا تجارت کو حقیر جاننا اور مفت خوری میں پڑے رہنا کم عقلی اور پستی کی علامت ہے۔
(۸) فقہ کے تمام مسائل حلال و حرام اور سود کے مسائل اور تمام فاسد یا باطل معاملات کے مسائل سب انہیں دونوں اجزا کے ماتحت ہیں۔ غرض یہ دونوں اجزا بہت وسیع اور ترقی کریں۔

۵۳۔ سچی گواہی | قرآن "گواہی مت چھپاؤ" (البقرہ) آیت ۲ "رحمان کے بندے.... جھوٹی گواہی نہیں دیا کرتے" (فرقان) حدیث "میں تمہیں اچھے گواہ کا حال بتاؤں؟ اچھا گواہ وہ ہے جو گواہی دے قبل اس کے کہ اس سے درخواست کی جائے" (مسلم) مطلب (۱) اگر کسی کا حق ضائع ہو رہا ہے اس وقت خود گواہی دینے کو مستعد ہو جانا چاہئے۔ (۲) جھوٹی گواہی گناہِ کبیرہ ہے۔ آنحضرتؐ نے اس کو شرک اور بت پرستی کے برابر بیان فرمایا ہے (۳) جھوٹی نالش، جھوٹی قسم، جھوٹا مقدمہ اور جھوٹے مقدموں کا وکیل بننا حرام ہے۔

۵۴۔ نکاح | قرآن "جس عورت کو تم پسند کرو اس سے نکاح کرو دو ہوں تین ہوں چار ہوں" (النساء) آیت ۲ "تم عورت کرنا چاہو اپنے مالوں سے" (النساء) حدیث ۱ "اے جوانو! تم میں سے جو عورت کا بار اٹھا سکے وہ نکاح کرے۔ اس سے نگاہ نیچی رہتی ہے اور شرمگاہ محفوظ رہتی ہے" (بخاری، مسلم) حدیث ۲ "جننے والیوں اور محبت کرنے والیوں سے نکاح کرو کیونکہ میں دوسری قوموں کے مقابلہ میں تمہارے ذریعہ کثرت اور ناز حاصل کرنا چاہتا ہوں" (ابو داؤد) مطلب (۱) نکاح کی اصل ضروریات اور لوازم یہ ہیں: انتخاب کا معیار، پیام و منگنی، تعیینِ تاریخ و وقت۔ اعلانِ عام یا برات۔ طرفین کی رضا و قبول۔ مہر۔ اظہارِ مسرت۔ جہیز و سامان۔ رخصتی و زفاف۔ اور ان میں سے ہر ایک کے بارہ میں آنحضرتؐ کے کافی ارشادات

Scanned with CamScanner

نہایت صاف ، آسان موجود ہیں۔ پھر بھی ہم مسلمان اپنی ایجاد کردہ رسموں میں پڑتے ہیں اس لئے تباہ ہیں۔ (۲) زنا اور ناجائز تعلق حرام ہے۔ یہ گویا زندگی اور سماجی ذمہ داریوں سے بھاگنا اور بزدلی ہے۔ اسی لئے اس فطری خواہش کی تسکین کیلئے اسلام نے نکاح کی اجازت دی ہے۔ نکاح سے طبیعت میں اعتدال پیدا ہوتا ہے، اس سے تحمل، ہمدردی، انس و رفاقت، انصاف و رحم جیسے صفاتِ عالیہ ابھرتے ہیں، مرد کو ایک یا چند ماتحت دیگران پر حکومتِ عادلہ، ہمدردی کرنیکا موقع ملتا ہے۔ (۳) نکاح سے قبل اگر مرد کسی موقع سے چھپ چھپا کر ایک نظر عورت کو دیکھ لے تو بہتر ہے۔ (۴) ایک مرد کو ایک وقت میں چار بیویوں سے زیادہ کرنا حرام ہے۔ (۵) کئی بیویاں ہوں تو ان میں سلوک برتاؤ نان نفقہ میں برابری رکھے۔ سب کو ایک نظر سے دیکھے، دلی محبت اور رغبت میں عدل ممکن ہے نہ شرعاً لازم۔ خوب سمجھ لینا چاہئے کہ یہ عدل اسی قسم کا اور اسی درجہ کا ہے جو ایک بادشاہ پر اس کی ہر قسم کی رعایا کا حق ہے۔ ایک باپ پر اس کی ہر قسم کی اولاد کا حق ہے۔ ایک استاد پر اس کے ہر قسم کے شاگردوں کا حق ہے۔ ایک آقا پر اسکے تمام نوکروں کا حق ہے۔ پس یہ برابری کوئی ڈرنے کی چیز نہیں مسلمانوں نے اس سے گھبرا کر چار چار شادیاں کرنے سے انکار شروع کردیا اس لئے اس کی مردم شماری کم ہی رہ گئی بڑھ نہ سکی۔ (۶) رسول ﷺ کثرتِ امت چاہتے ہیں۔ پس مسلمانوں کی سعادتِ دارین اسی میں ہے کہ کئی کئی شادیاں کریں۔ رسول ﷺ نے خلفاءؓ میں سے ہر ایک نے، صحابہؓ نے کئی کئی نکاح کئے۔ اس سے اشارہ ہے کہ کئی نکاح مسلمانوں کی ہر قسم کی فلاح کا ضامن ہے۔ (۷) چار بیویاں اور ان سے زیادہ اولاد یقیناً بعض وقت پریشانی اور تکلیف و تنگی کا سبب ہونگی۔ مگر اس ضرورت کے آپڑنے پر قدرت ان کے رزق کا غیب سے سامان بھی کریگی۔ گو ہماری تن آسانی نہ ہو سکے گی۔ (۸) نکاح کے وقت کا خرچ اور اسکے بعد اسکا نان نفقہ، گھر، مہر، زچگی، بیماری میں علاج وغیرہ کا خرچ مرد کے ذمہ ہے اسلئے اسکا بار مرد اپنے والدین پر ڈالے اور نہ عورت کے والدین پہ۔

۵۵ حقوقِ عیال | قرآن "عورتوں کے ساتھ دستور کے مطابق نیک سلوک کیا کرو" (النساء) حدیث نمبر ۱ نیک سلوک شروع اس سے کرو جو تمہارے عیال اور کفالت میں ہوں" (مسلم) حدیث نمبر ۲ "وہ آدمی گنہگار ہے جو ایسے آدمی کو ہلاک اور تباہ ہونے دے جس کی روزی و کفالت اس کے ذمہ ہے" (ابوداؤد)۔

Scanned with CamScanner

مطلب (۱) بیوی بچوں کا کل خرچ مرد کے ذمہ فرض ہے۔ اگر مال کم ہے تو بیوی بچوں ہی میں خرچ کرنا بہترین صدقہ ہے۔ (۲) اگر مال زیادہ ہے تو پہلے بیوی بچوں پر خرچ کرے کہ یہ فرض اور صدقہ واجبہ ہے پھر ماں باپ پر پھر بھائی بہن پر پھر رشتہ داروں پر۔ یہ سب کار خیر اور صدقات نافلہ ہے۔ ہاں اگر ماں باپ حاجتمند اور معذور ہوں تو ان کا خرچ بھی فرض ہو جاتا ہے۔ (۳) ان سب کے بعد انسان کے عیال اس کے غلام باندی یا نوکر ماما بھی ہیں اور پلے ہوئے جانور مثلاً گائے، بکری، گھوڑا، بیل، مرغی، کبوتر، طوطا وغیرہ بھی عیال اور "وما ملکت ایمانکم" میں داخل ہیں ان کے آرام کا بھی مثل اپنے خیال رکھے۔ بیوی بچوں سے یا نوکروں سے اگر کبھی کچھ تکلیف بھی پہنچے تو صبر کرے تحمل سے کام لے سخت گیری سخت مزاجی سے نہ پیش آئے، بد زبانی نہ کرے۔ (۵) بیوی بچوں کو بھی شریعت پر چلنے کا برائیوں سے بچنے کا حکم کرتے رہنا ان کے حقوق میں داخل ہے۔ (۶) نوکر غلام وغیرہ کو دین سکھانا بھی مرد پر ان کا دینی حق اور ضروری ہے۔ (۷) نوکروں پر نرمی کرنا ان سے کام لینے میں تخفیف کر دینا۔ خصوصاً جاڑے گرمی یا رمضان میں سہولت کر دینا رحم اور کار ثواب ہے۔

۵۶۔ خدمت والدین

قرآن "ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کیا کرو" (لقمان) حدیث ۱ "اللہ کی خوشی والد کی خوشی میں ہے اور اللہ کی ناخوشی والد کی ناخوشی میں ہے" (ترمذی) حدیث ۲ "سب سے بہتر عمل وقت پر نماز پڑھنا ہے۔ پھر والدین کی خدمت۔ پھر دین کی اشاعت میں اللہ کیلئے پوری کوشش" (بخاری و مسلم ملخصاً) مطلب (۱) اللہ نے کلام پاک میں اپنے حق یعنی عبادت کے بعد ہی ماں باپ کے ساتھ اچھے سلوک کا حکم دیا ہے۔ کیونکہ اللہ کا ہم کو پیدا فرمانا والدین ہی کے ذریعہ ظاہر ہوا۔ (۲) ماں باپ کا حق یہ ہے کہ (الف) وہ محتاج ہوں تو ان کی ہر طرح کی پوری کفالت مرد پر فرض ہے۔ (ب) محتاج نہ ہوں تو ان کی مالی کفالت فرض نہیں مستحب رہ جاتی ہے۔ (ج) لیکن ہر حال میں ہر وقت ان کی اطاعت (بشرطیکہ وہ کفر و شرک کا حکم نہ دیں) فرض ہے اور ان کی عزت و احترام بھی۔ (۳) عظمت کے لحاظ سے باپ کا درجہ بڑا ہے اور محبت کے لحاظ سے ماں کا۔ (۴) ماں باپ سے جھڑک کر بولنا، بدزبانی کرنا، لڑنا حرام اور گناہ کبیرہ ہے اس سے

Scanned with CamScanner

نادم ہوکر معاف کرانا بھی ضروری ہے۔ (۵) باپ کی بددعا لڑکے کے حق میں جلد قبول ہوتی ہے۔

۵۷۔ تربیت اولاد | قرآن "اے مسلمانو! اپنی جانوں کو اور گھر والوں کو دوزخ سے بچانے کا سامان کرلو" (طلاق) حدیث "کسی باپ نے کسی بیٹے کے ساتھ اچھے ادب اور سلیقہ سکھانے سے بڑھ کر احسان نہیں کیا" (ترمذی) مطلب (۱) اولاد کا حق مرد پر یہ ہے کہ (۱) شادی کرے تاکہ گناہ سے بچے اور جائز نسل چلے، اور شادی بھی کفو میں کرے۔ (ب) اولاد کا نام اچھا رکھے (ج) اولاد کی صحت اور صحبت اچھی رکھنے کا برابر خیال رکھے۔ مال سے ہاتھ پیر سے اسمیں کوشش کرے (د) ان کو اچھی تعلیم دلائے۔ اور ان کو نیک راہ پر لگانے کیلئے خود نیک طریقہ اختیار کرے، نیک لوگوں کے پاس آیا جایا کرے (۲) ساتویں دن عقیقہ (مونڈن) اور لڑکے کا ختنہ کردے کہ رسول سے ساتویں دن یہ دونوں چیزیں ثابت ہیں۔ (اور اسی پر قیاس کر کے لڑکی کا کن چھیدن بھی اسی دن کردے لڑکی کی ناک چھیدنا غلط فعل ہے۔ ایسے ہی لڑکے کے کان چھیدنا بھی غلط ہے) اور ساتویں ہی دن نام رکھے عقیقہ میں بچے کی الابلا دور کرنے کیلئے اس کی طرف سے ایک یا دو جانور قربان بھی کردے اور بالوں کے برابر چاندی مساکین کو دیدے۔ (۳) لڑکیوں کے پیدا ہونے سے رنجیدہ نہ ہو۔ (۴) لڑکوں اور لڑکیوں کا نکاح نیک اور دیندار گھرانوں میں کرے۔

۵۸ صلہ رحمی | قرآن "رشتہ داریوں (کی حق تلفی) سے بھی ڈرتے رہو" (النساء) حدیث "وہ شخص جنت میں نہ جائیگا جو ناتے داروں سے بدسلوکی کریگا" (بخاری مسلم) مطلب (۱) ناتے داروں سے بدسلوکی جسے قطع رحم کہتے ہیں یہ ہے کہ رشتہ کے چھوٹوں پر رحم۔ بڑوں کی توقیر نہ کرے۔ انکے مال یا دوسرے حقوق غصب کرے، ان کو ستائے۔ بلا شرعی وجہ کے ان سے سلام کلام کرنا۔ دعوت و ہدیہ کا قبول کرنا بند کردے۔ (۲) صلہ رحمی میں ملاقات یا مکاتبت کرنا۔ سلام و کلام کرنا۔ ہمدردی و امداد۔ ہدیہ و دعوت دینا بعنایت و اعانت۔ عیادت و تعزیت۔ سلوک و معاملات میں رعایت و نرمی وغیرہ سب داخل ہے۔ (۳) شریعت جس شخص سے ترک تعلق کرنے کو کہے اس سے ترک تعلق کرنا قطع رحم نہیں ہے اور اس سے تعلق رکھنا صلہ رحمی نہیں ہے۔

۵۹۔ اطاعت آقا | قرآن "یوسف بولے اے وہ (عزیز مصر) میرا آقا ہے۔ اس نے میری پرورش

Scanned with CamScanner

اچھی طرح کی ہے (میں اسکی خیانت، آبرو ریزی نہ کرونگا) مجھے یقین ہے جو ایسا بیجا کام کرتے ہیں وہ
پنپتے نہیں" (یوسف) حدیث "غلام اگر اپنے آقا کی خیر خواہی کرے اور پروردگار کی عبادت بھی اچھی طرح
بجالائے تو اس کو دوہرا ثواب ملیگا (بخاری) مطلب (۱) غلام لونڈی، نوکر، ماما ہوں یا کسی فیکٹری یا
کارخانے کے ملازم ہوں ان پر لازم ہے کہ (الف) مالک کے مال کی حفاظت کریں (ب) کارِ خدمت کو دل
خوشی سے بجالائیں (ج) اس کے قاعدے کی پابندی پوری طرح کریں (د) اسکی خیر خواہی کریں (ہ) اسکی
بجا تعریف کریں ورنہ خاموش رہیں (و) اسکی عزت و ادب ملحوظ رکھیں (ز) اپنی غفلت سے یا اپنے سامنے اس کے
نقصان یا اہانت کی بات نہ ہونے دیں (ح) اسکی شکایت نہ کرتے پھریں۔ ناخوشی پر یا خاموش رہیں
یا ترک تعلق کر دیں۔ (۲) البتہ جس نوکر ملازم کے ساتھ بے انصافی ہو اسکو مالک کی شکایت کا حق ہے
وہ بھی ضرورت کے موقع پر۔ (۳) قومی ترقی کیلئے فرض شناسی اور مستعدی سے کام کرنا بہت ضروری ہے۔

۶۰۔ عدل و انصاف | قرآن "کسی قوم کی دشمنی تم کو اس کا مجرم نہ بنادے کہ تم انصاف نہ کرنے لگو"
(مائدہ) آیت ہے انصاف کیا کرو اللہ تعالیٰ کو انصاف کرنے والے بہت پیارے ہیں (ممتحنہ) حدیث سات
آدمی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے عرش کے سایہ میں جگہ دیگا ایک انمیں حاکم عادل ہے" (بخاری
مسلم) مطلب (۱) اللہ کو اپنی مخلوق سے بہت محبت ہے اس لئے مخلوق کے ساتھ بے انصافی اور ظلم کرنا اللہ
کو سخت ناپسند ہے۔ (۲) عدل و انصاف کئی بیویوں کے درمیان کئی اولاد کے درمیان کئی نوکروں کے
درمیان اور مختلف جذبات کے درمیان ضروری ہے۔ جذبات کا عدل یہ ہے کہ انسان میں چار قوتیں ہیں علمیہ،
غضبیہ، شہویہ، عقلیہ۔ ان میں سے ہر ایک میں تین تین درجے ہیں افراط، عدل، تفریط۔ شریعت نے
ہر قوت کے نقطۂ اعتدال ہی کا حکم کیا ہے چنانچہ قوتِ علمیہ میں افراط کا نام جدل و تعمق اور عدل کا
نام حکمت اور تفریط کا نام جہل ہے۔ قوتِ غضبیہ میں افراط کا نام تہور، عدل کا نام شجاعت اور تفریط
کا نام جبن ہے۔ قوتِ شہویہ میں افراط کا نام حرص عدل کا نام عفت اور تفریط کا نام بخل و عفت ہے
اور قوتِ عقلیہ میں افراط کا نام جربزہ عدل کا نام ذکا اور تفریط کا نام غباوت و حمق ہے (۳) بعض مسلمان
کافروں کی دشمنی یا انتقام میں بعض دفعہ تعصب، ظلم، بے انصافی وغیرہ کرنے لگتے ہیں۔ یہ گناہ اور اسلام کے خلاف ہے۔

Scanned with CamScanner

۶۱- اتباعِ جماعت | قرآن "اور کفار ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ اگر تم بھی ایسا (آپس میں مدد اور دوستی) نہ کروگے تو (کفر کی قوت اور اسلام کے ضعف سے) زمین میں فتنے اور بڑی گڑبڑی ہوگی (انفال) آیت ۷۳ اور جو (اچھے) مسلمانوں کے راستے کے خلاف چلیگا تو ہم ..... اسکو جہنم میں جھونکیں گے" (نساء) حدیث "میں تم کو پانچ باتوں کا خاص طور پر حکم کرتا ہوں جس کا اللہ نے مجھے حکم فرمایا ہے ایک انمیں سے اپنی جماعت کے ساتھ رہنا ہے جو ایک بالشت بھی جماعت سے نکلا اس نے اسلام کا حلقہ اپنی گردن سے نکال پھینکا۔ ہاں اگر پھر جماعت میں آجائے (ترمذی) مطلب (۱) آجکل کی زبان میں اتباعِ جماعت کے معنی ہیں قوم، قومی زبان، قومی تہذیب، قومی کلچر سے الگ نہ ہونا (۲) خدا و رسولؐ کے احکام میں جماعت، قومیت اور امت سے وہی ہم عقیدہ قومیت مراد ہے جو رسولؐ بنا گئے، نسل، وطن، ملک وغیرہ سے آزاد۔ (۳) قیامت تک ہر زمانہ میں ہر ملک میں متبع سنت علما و صلحا کی جو تہذیب اور وضع وغیرہ ہو مسلمانوں کو اس سے ضرور وابستہ رہنا چاہئے۔ دوسری قوم کی وضع، لباس، تہذیب اختیار کرنا اپنے کلچر کو مٹا دینا ہے۔ (۴) عوام کو علما اور صلحا کی وضع اختیار کرنا چاہئے تاکہ ظاہر کا اثر باطن پر پڑے اور باطن بھی سدھرے لیکن علما اور صلحا کو عوام سے الگ اور ممتاز بنانے والا لباس وغیرہ نہ اختیار کرنا چاہئے (۵) اپنی جماعت، قوم، ہم عقیدہ لوگوں کا جائز ساتھ دینا قومی ترقی کا جزوِ اعظم ہے لیکن بیجا طرفداری اور تعصب باطل بھی نہ چاہئے پس غیر قوم سے دلی دوستی، اس سے خیر خواہی کی توقع اور درخواست، اس سے راز داری وغیرہ مذہب میں سخت گناہ اور ذلت و پستی کی بنیاد ہے (نمبر ۱۲ و ۱۷ بھی دیکھو)

۶۲- اطاعتِ امیر | قرآن "اللہ کا حکم مانو اور رسولؐ کا حکم مانو اور اپنے صاحب امر و حکومت کا حکم مانو" (نساء) حدیث "میں تم کو تاکیدی حکم دیتا ہوں کہ اللہ سے ڈرتے رہنا اور امیر کا حکم مانتے رہنا۔ چاہے وہ امیر اور حاکم حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو" (ابوداؤد) مطلب امیر و حاکم کا حکم ماننا قانون کی پابندی کرنا فرض ہے بغیر اس چیز کے نہ اچھی قومیت بن سکتی ہے نہ اچھی حکومت، نہ اچھا تمدن تیار ہو سکتا ہے نہ ترقی ہو سکتی ہے۔ (۲) امیر دو قسم کے ہوتے ہیں ایک خلیفہ دوسرے سلطان و بادشاہ خلیفہ کیلئے شریعت میں قریشی ہونے، عالم، متبعِ سنت ہونے انتخاب عام سے

چنے جانے وغیرہ کے شرائط و احکام ہیں۔ لیکن سلطان و بادشاہ کیلئے یہ شرائط نہیں۔ اس لئے غلام حبشی حاکم سلطان اور بادشاہ تو ہو سکتا ہے خلیفہ نہیں ہو سکتا۔ (۳) کافر حاکم سے ملازمت وغیرہ کا معاہدہ ہو تو اس کے احکام کا ماننا بھی ضروری ہے لیکن اسی وقت تک کہ دین اور اصولِ دین کی مخالفت نہ ہونے پائے ورنہ دل سے اطاعت کفر ہے۔

۶۳۔ اصلاحِ فساد قرآن "اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ جائیں تو ان میں صلح کرا دو" (حجرات) حدیث "کیا میں تمہیں نہ بتاؤں کہ روزہ، نماز، خیرات، زکات سے بڑھکر کس چیز کا درجہ ہے؟ عرض کیا بتائیے۔ آپ نے فرمایا "آپس کی شکر رنجیوں کو مٹا کرا دینا۔ کیونکہ آپس کی لڑائی مونڈتی ہے۔ مگر یہ بالوں کو نہیں مونڈتی ہے، یہ دین کو مونڈ کر صاف کر دیتی ہے" (ترمذی) مطلب (۱) لڑنے والوں میں پہلے تو میل ملاپ کی اور لڑائی بند کرنے کی کوشش چاہئے۔ (۲) اگر وہ نہ مانیں تو انصاف سے دیکھو زیادتی کس کی ہے جس کی زیادتی ہو اس کی مخالفت اور اختلاف کرنا ضروری ہے چاہے وہ عزیز اور دوست ہی ہو۔ (۳) گالی گلوچ کرنا یا قلی اور یکہ وغیرہ کے کرایہ اور مزدوری پر جھک جھک کرنا بھی اسی میں داخل ہے اس میں بھی جس کی زیادتی ہو اس سے اختلاف کرنا چاہئے خواہ وہ دوست و عزیز ہی کیوں نہ ہو، باغیوں سے لڑنا۔ بدویوں کے فسادات کو دبانا بھی اسی کی وسعت میں داخل ہے۔

۶۴۔ نصرت و تعاون قرآن "نیک کاموں میں اور خدا سے ڈرنے کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو" (انعام) حدیث ۱ "حضور سے پوچھا گیا کہ تعصب کیا ہے؟ آپ نے فرمایا "تعصب یہ ہے کہ تم ظلم میں اپنی قوم کی مدد کرو" (ابوداؤد) حدیث ۲ "جو مسلمان کسی مسلمان کو رسوا کرے گا ایسی جگہ جہاں اس کی آبرو اور عزت برباد ہو رہی ہو تو اللہ اسے ایسی جگہ رسوا کریگا جہاں اُسے خود مدد کی ضرورت ہو گی۔ اور جو مسلمان کسی مسلمان کی حمایت و نصرت ایسی جگہ کریگا جہاں اسکی آبرو جا رہی ہو تو اللہ اس کی اس جگہ مدد کریگا جہاں اُسے مدد کی ضرورت ہو گی" (ابوداؤد) مطلب (۱) بری باتوں میں ظلم وغیرہ میں اپنی قوم کا ساتھ دینا حرام ہے۔ (۲) قومی غداری کرنا، قوم کے مخلص اور محسن لوگوں کو بدنام کرنا ذلت اور پستی کی جڑ ہے اس سے بچنا فرض ہے (۳) کسی افسر یا دشمن سے مال یا جاہ کی طمع میں کسی مسلمان کو حسداً یا انتقاماً ذلیل کرنا اسلام کے خلاف ہے۔

Scanned with CamScanner

(۶۴) ہر نیک کام اللہ و رسول کا کام ہے۔ کوئی شخص اگر کسی نیک کام کیلئے آمادہ ہو تو اس کا ہاتھ بٹانا۔ مدد کرنا۔ اس کام کے پھیلانے میں مدد کرنا۔ خیر خواہی۔ تعریف کرنا۔ دوسروں کو ترغیب دلانا بھی لازمی ہے۔

۶۵۔ تبلیغ اور امر معروف | قرآن "تم مسلمانوں میں برابر ایسی جماعت رہنی چاہیے جو تمام انسانوں کو نیک راہ بتاتی رہے۔ سب کو اچھائیوں کا حکم دیتی رہے اور برائیوں سے روکتی رہے۔ یہی لوگ ہیں جن کو (ہر قسم کی) فلاح اور کامیابی ملے گی (آل عمران) حدیث ۱ "تم میں سے جو شخص کوئی برائی دیکھے اور اسے قدرت بھی ہو تو اس برائی کو ہاتھ سے مٹا دے اور اگر اتنی قدرت نہ ہو تو زبان سے منع کر دے اور اتنی بھی قدرت نہ ہو تو خود تو دل سے اس کو برا جانے مگر یہ ایمان کا بہت کمزور درجہ ہے" (مسلم) حدیث ۲ حضرت ابو بکر رض کہتے ہیں کہ لوگو تم قرآن میں یہ آیت "علیکم انفسکم" پڑھتے ہو (ترجمہ: بس اپنے کو سدھار لو اگر تم فرد فرد سدھر گئے تو تم کو گمراہ شخص ضرر نہ پہنچا سکے گا) حالانکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ لوگ جب گناہ ہوتے دیکھیں اور نہ روکیں تو سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ ان پر عذاب عام جلد نازل فرمائیگا" (ترمذی) مطلب (۱) نیکی پھیلانا اور برائیاں روکنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر بقدر قدرت بہت لازمی اور ضروری ہے (۲) مگر اس کے کچھ آداب بھی ہیں فرض اور واجب نیکیوں کے پھیلانے اور حرام اور گناہ کبیرہ کو روکنے میں اہتمام اور اصرار و انہماک کرے۔ (۳) اس طرح کہ ہر شخص اپنی بیوی بچوں اور نوکروں پر یقیناً قدرت رکھتا ہے۔ اس لئے ان کی برائیوں کو پوری قوت اور اہتمام سے روکے حرام اشیاء کو توڑ دے بگاڑ دے (۴) جہاں اتنی قدرت نہ ہو مثلاً پڑوسی دوست وغیرہ وہاں زبان سے روکنا ضروری سمجھے۔ اس کے گناہ اور خرابیاں بتا دے۔ خاموش رہنا دوستی اور خیر خواہی کے خلاف جانے۔ (۵) جہاں یہ بھی نہ کر سکے مثلاً حاکم، امرا، بدمزاجوں کی کثرت وغیرہ ہو تو خود اس کو نہ کرے نہ اس میں شامل ہو مگر دل سے اس کو برا ضرور سمجھے۔ (۶) برائیوں کو ہاتھ سے یا زبان سے روکنے کی صورتوں میں بھی حکمت اور نرمی سے کام لے۔ برائیوں کو تو برا اور ذلیل سمجھے مگر ان کے کرنے والوں کو ذلیل نہ سمجھے۔ تنہائی میں سمجھائے۔ ہمدردی اور نرمی و شفقت سے سمجھائے وہ نہ مانے تو برا نہ مانے لڑنے نہ لگے۔ (۷) جو نیکیاں مستحب ہوں ان کے پھیلانے میں اور جو برائیاں محض مکروہ یا خلاف اولیٰ ہوں

Scanned with CamScanner

ان کے روکنے میں اہتمام و اصرار و تشدد نہ کرے صرف ایک بار نرمی سے کہدینا کافی ہے۔ (۸) برائیوں سے روکنا ہو تو عام الفاظ میں کہے تاکہ کوئی ایک شخص اپنے کو مخاطب سمجھ کر برا نہ مانے مثلاً یوں کہے ہم لوگوں میں یا کچھ لوگوں میں یہ عادت ہے الخ۔ (۹) اپنی تبلیغ کی ضروری حد عموماً اپنی ذات گھر والے، دوست، نوکر، عزیز پڑوسی تک کو سمجھے۔ یہ فرض ہے پھر اگر قلب میں قوت، وقت میں وسعت اور علمی یا مالی استطاعت بھی ہو تو اور آگے تبلیغ کے دائرہ کو بڑھائے ورنہ نہیں۔ (۱۰) تبلیغ کا یہ درجہ کہ تمام دنیا کو راہِ راست دکھانے کی ہمت کرے۔ اور اسمیں جو مصائب اور تکالیف ہمت شکنی اور مایوسی وغیرہ پیدا ہو اس پر صبر و استقلال سے کام لے۔ اس سے دل شکستہ نہ ہو۔ انبیاء علیہم السلام کی سنت اور نیابت ہے۔ اس پر صرف اولوالعزم شخص ہی عمل کر سکتا ہے (نمبر ۶۷ بھی دیکھیو)

۶۶ تعزیرات و سزا | قرآن "تمھیں اللہ کی اطاعت میں (ان کو سزا دیتے وقت) رحم نہ آنے لگے" (نور) حدیث "اللہ کی مقرر کی ہوئی سزائیں برابر جاری رکھنا چاہیے اپنے عزیزوں کے خلاف ہو چاہے غیروں کے۔ اللہ کی راہ سے تم کو طعن و ملامت کا خیال کہیں روک نہ لے۔ ایک سزا کا جاری ہونا۔ اللہ کے ملک میں چالیس دن بارش ہونے سے زیادہ بہتر و مفید تر ہے (ابن ماجہ) مطلب (۱) شرعی سزائیں دو قسم کی ہیں ایک حد جو سنگین جرائم مثل زنا، شرابخواری وغیرہ پر خدا کی طرف سے مقرر ہے۔ اس میں تو کسی طرح کمی زیادتی۔ رعایت اور امیر و غریب کا فرق وغیرہ جائز نہیں۔ اوپر کی حدیث میں اسی کا تذکرہ ہے۔ (۲) دوسری قسم تعزیر ہے معمولی جرائم پر۔ اس میں مدعی اور مدعا علیہ کی ذات، برادری، مکان و زمان وغیرہ کی رعایت سے کمی اور زیادتی یا امیر و غریب شریف و رذیل کے فرق کے لحاظ کی بھی اجازت ہے جو اسلامی حاکم کی رائے پر منحصر ہے۔ (۳) حد یا تعزیر سے جرائم بند ہوتے ہیں۔ ملک میں امن اور نیکی پھیلتی ہے۔ اس لئے اس کو ملک والوں کے حق میں بارش سے زیادہ مفید فرمایا گیا ہے۔

۶۷۔ جہاد یا اشاعتِ دین | قرآن "مسلمانو! کیا میں تمھیں ایسا مفید کاروبار بتا دوں جو تم کو تکلیف دہ عذابوں سے بچاتا رہے خدا و رسول پر ایمان لاکر اللہ کی راہ میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دو اپنے مال

Scanned with CamScanner

خرچ کر کے اور (اگر وقت پڑ جائے تو) جان لڑا کر۔ اگر تم سمجھو تو یہ تمہارے لئے بہت مفید اور بہتر چیز ہے (اس کا بدلہ یہ ہے اور یہ ہے) اور ایک اور چیز جو تمہیں بہت محبوب ہے ملے گی وہ اللہ کی مدد اور قریب ہی دشمنوں پر فتح" (صف) حدیث "اللہ کی راہ میں صبح کے وقت کا سفر یا شام کے وقت کا سفر (جہاد کیلئے) دنیا و ما فیہا سے زیادہ بہتر ہے (بخاری مسلم) مطلب (۱) جہاد کے معنی جد و جہد، مجاہدہ کے ہیں۔ اس کیلئے اشاعتِ دین، حمایتِ دین، پروپگنڈا بھی کہا جا سکتا ہے۔ (۲) تبلیغ سوا شریعتِ محمدی کے کسی مذہب کا دینی حکم نہیں کیونکہ ہر دین اپنی امت میں محدود اور مخصوص تھا۔ آج اگر ہندو اور عیسائی اپنے قدیم مذہب کی تبلیغ یا اشاعت کرتا ہے۔ یا نازی، کمیونسٹ اپنے معاشی و سیاسی مسلک کو پھیلانا چاہتا ہے تو یہ چیز اسلام ہی سے لی گئی ہے۔ (۳) اسلام میں جہاد یا اشاعتِ دین کے نہایت مفصل احکام اور درجے ہیں (الف) اپنے دین (کلچر اور تہذیب) کو خود پسند کرنا اور بہتر جاننا۔ دوسرے دین اور کلچر کو بُرا جاننا اور ناپسند کرنا پس یہ نہ ہو کہ "ہم ناحق اس دین تہذیب میں ہوتے۔ فلاں تہذیب یا دین تو اس سے اچھا ہے" کہ یہ کفر ہے (ب) اہلِ دین سے محبت اور ان کے پاس آنا جانا، اٹھنا بیٹھنا، تعطیل کے ایام ان کے پاس گزارنا کسی اہلِ علم سے بشریت کی لغزش ہو جائے تو علیحدہ خود اس سے قطع تعلق کر لے مگر علم اور اہلِ علم کا احترام کر کے اس کو رسوا نہ کرنا (بشرطیکہ وہ اصولِ اسلام کے خلاف نہ ہو حرام پر اصرار نہ ہو)۔ (ج) جتنا خود جان چکا ہے اتنے کو دوسروں تک ضرور پہنچانا۔ (د) خود اعمالِ صالحہ کا نمونہ بن کر دکھانا۔ بقول اصغر

آدمی نہیں سنتا آدمی کی باتوں کو
پیکرِ عمل بنکر غیب کی صدا ہو جا

اسلام اسی طرح پھیلا بھی ہے۔ غیر اقوام نے دیندار درویشوں، دیندار فوجیوں، دیندار تاجروں، دیندار پیشہ وروں اور دیندار عوام کو زندگی کے ہر معاملہ میں خدا کے خوف اور بے لفسی کے ساتھ عمل کرتے دیکھا تو انکو اسلام کیطرف کشش ہونے لگی۔ (۴) اشاعتِ دین کا طریقہ اور ترتیب یہ ہے کہ پہلے ہر آدمی اپنی ذات کو علم سے پھر عمل سے سنوارے اور احکام کے مطابق بنائے۔ پھر اپنے بیوی بچوں، نوکروں کو علم سے پھر عمل سے درست کرنے میں اہتمام کرے۔ کچھ خاص علما عام وعظ کہتے پھریں۔ ہر بستی میں ایک مدرسہ اور ایک عالم ہونے کا انتظام کریں۔ کچھ خاص لوگ حکومت

Scanned with CamScanner

اور قوت اور قانون سے عوام کی بددینی اور فساد پھیلنے کو روکیں۔ اس طرح کہ دوسری کافر قوموں سے کہیں کہ (الف) تم اپنے اپنے یہاں اپنا قانون چلانا چھوڑ کر صرف خدا کے قانون کو پھیلاؤ۔ کیونکہ امن چین، ترقی و کامیابی ملنے کا صرف یہی ایک ذریعہ ہے۔ اگر ایسا کرو گے تو ہم تم بھائی بھائی اور برابر۔ تم اپنی حکومت میں خوش ہم اپنے ملک میں خوش۔ اگر وہ اسے مان لیں فبہا ورنہ ان سے کہیں کہ (ب) اگر تم خدائی قوانین نہیں پھیلاتے تو ہم کو اپنی حفاظت کا ذمہ دار سمجھو اور اس حفاظت کا ٹیکس تم ہمکو اس شرح سے دو کہ تمہارے راہب، جوگی، بچے، عورتیں، بوڑھے، اپاہج یہ سب تو بالکل معاف۔ البتہ جوان لوگ یا تو ہماری حکومت کی پولیس اور فوج کے کاموں میں مدد دیں یہی ٹیکس ہے اور اگر مدد نہیں دیتے تو ہر امیر ۱۲ روپیہ سالانہ۔ ہر متوسط ۶ سالانہ اور ہر عامی ۳ سالانہ جزیہ ادا کرے۔ یہ جزیہ کفر کا ٹیکس نہیں یہ حفاظت کا ٹیکس ہے اور صرف جوان مردوں پر ہے۔ اگر وہ اسے بھی نہ مانیں تو ان سے کہا جائیگا کہ (ج) تم فساد کی جڑ اور پلیس کی گانٹھ ہو اور مسلمان ایسے فسادیوں کو اللہ کی پاک زمین پر زندہ نہ رہنے دیگا کہ اللہ کے بندے تکلیف اٹھاتے رہیں۔ لہذا ہم محض خدا کا قانون پھیلانے کیلئے (نہ کہ اپنے فخر کرنے یا نو آبادیات بڑھانے یا عیاشی کرنے یا آمدنی میں اضافہ کرنے کی غرض سے) تم سے لڑ کر یا خدا کا دین پھیلا کر رہیں گے یا اپنی جان دیدیں گے۔ (۵) جہاد کے اس آخری درجہ کیلئے قوت حاصل کرنا اور قوت باقی رکھنا بھی بہت ضروری ہے۔ اس لئے بحکم آیت "وَاَعِدّوا لھم" (یعنی اے مسلمانو! ان کیلئے ہر قسم کی قوت (مالی، جسمانی، فوجی، آلاتی، علمی وغیرہ) حاصل اور تیار کرتے رہنا چاہئے تاکہ تم اپنے اور خدا کے ان دشمنوں کو اور ان کے علاوہ اور دوسرے دشمنوں کو ڈراتے اور مرعوب رکھتے رہو) فوجوں کی تنظیم، چھاونی، مورچہ بندی، فنونِ سپہ گری، قومی فنڈ، ورزش، کسرت، پریڈ، قواعد، مناظرہ، تصانیف، درس وغیرہ سب شعبوں کی طرف توجہ رکھنا چاہئے (نمبر ۶۵ بھی دیکھ لو)۔ (۶) جنگ ہو تو بھاگنا اور موت سے خوف نہ چاہئے۔ کیونکہ مسلمان کا تو بہر حال فائدہ ہے مرے تو شہید زندۂ جاوید اور جنتی۔ اور مارا تو فاتح۔ غانم اور غازی (نمبر ۱۰ بھی دیکھ لو)

Scanned with CamScanner

۶۸۔ رازداری اور امانت | قرآن "امانتیں ان کے مالکوں کو (مستحقوں) ادا کر دیا کرو" (نساء) حدیث ۱: جس میں امانت نہیں اس میں ایمان نہیں (احمد) حدیث ۲: "علم میں خیر خواہی کرو کیونکہ علم میں خیانت کرنا مال میں خیانت سے زیادہ سخت ہے" (طبرانی) مطلب (۱) امانت کا مال بجنسہ وہی محفوظ رکھ کر وہی ادا کرنا چاہیئے جو ملا ہے۔ نہ یہ کہ اس کو خرچ کر دے اور پھر اپنا مال اس کے عوض دے۔ احتیاط یہ ہے کہ مالک سے کہہ لے کہ ضروریات پر میں اسے خرچ کر دوں گا اور وقت پر آپ کو ادا کر دوں گا۔ (۲) امانت ایک وسیع لفظ ہے اسمیں مشورہ لینے والے کو خیر خواہی سے سچا مشورہ دینا بھی داخل ہے چاہے اپنا نقصان ہو۔ (۳) کسی کا راز معلوم ہو تو اسکی حفاظت بھی امانت ہے۔ (۴) علم اور صحیح مسائل بھی امانت ہیں اور پوچھنے والوں کے سامنے اس کا ظاہر کرنا ضروری ہے۔ نہ دھوکا دینا جائز نہ غلط بتانا۔ جو بات معلوم نہیں صاف کہہ دے کہ نہیں معلوم۔ (۵) قومی راز کی حفاظت قومی وقار کی حمایت بڑی زبردست امانت ہے اس میں خیانت بڑا شدید جرم ہے جس کی سزا پوری قوم کو بھگتنی پڑ جاتی ہے۔ انفرادی طور پر کوئی خواہ جنید بغدادی بھی ہو لیکن اجتماعی اصولوں میں ذرا سی کوتاہی کے باعث پوری قوم کے ساتھ ایسے مقدس لوگ بھی ذلیل ہوں گے۔

۶۹۔ دوسروں کو قرض دینا | قرآن "اللہ کو اچھا قرض دیا کرو" (مزمل) حدیث "صدقہ میں دس گنا ثواب ہے اور قرض دینے میں اٹھارہ گنا" (ابن ماجہ) مطلب (۱) کسی بھائی کی مدد کرنا اسکی واقعی حاجت کے موقع پر ایک بڑی نیکی اور افضل صدقہ ہے۔ قرض بھی صدقہ ہے، فرق یہ ہے کہ قرض میں رقم ملنے کی نیت اور شرط رہتی ہے اور صدقہ و خیر میں نہیں۔ پس اگر ہمت کر کے قرض کو جزو یا کل معاف کر دے تو یہ بڑی بات ہے (۲) وعدہ کے وقت پر لینے والے کو ادا ضرور کرنا چاہیئے۔ لیکن قرض دینے والے کا وقت پر روپیہ واپس نہ ملنے پر صبر کرنا۔ قرض کی وصولی میں نرمی کرنا مہلت مانگنے والے کو مہلت دینا حسن خلق اور تعلیمات اسلام میں اہم جزو ہے۔ (۳) ایسے قرض دینے سے بینکنگ، ساہوکارہ، سودخواری وغیرہ متعدد باطل معاملات

Scanned with CamScanner

کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ ترقی کا بڑا اصول یہ ہے کہ بغیر کسی لالچ کے دوسروں کی مدد کرے اور بخل وخود غرضی سے بالاتر ہے۔ (۴) قرض دیکر احسان جتانا، ایذا دینا، مقروض کو ذلیل یا محکوم سمجھنا، اس سے خدمت لینا گناہ اور ذلیل بات ہے۔ (۵) سود لینا اور دینا اور اسکی گواہی اور تحریر وغیرہ حرام ہے۔ مقروض سے دعوت کھانا، تحفہ لینا۔ کوئی رعایت چاہنا بھی سود میں داخل ہے۔

۷۔ ہمسایہ کے ساتھ سلوک | قرآن "پاس کے پڑوسیوں اور دور کے پڑوسیوں کے ساتھ نیکی کیا کرو (النساء) حدیث ۱ "جو شخص اللہ اور قیامت پر یقین رکھتا ہو اسے چاہئے کہ اپنے پڑوسیوں کو نہ ستائے (بخاری مسلم) حدیث ۲ "یہ جائز نہیں کہ انسان خود پیٹ بھرلے اور پڑوسی بھوکا رہے (ترمذی) حدیث ۳ "جبریل ؑ اتنی بار ہمسایہ کے ساتھ سلوک کے احکام میرے پاس لائے کہ مجھے اندیشہ ہونے لگا کہ شاید پڑوسی کو بھی میت کا شرعی وارث بنا دیں گے (بخاری مسلم) مطلب (۱) ہمسائیگی میں کافر اور مسلمان کا فرق نہیں ہے۔ (۲) نیک سلوک پہلے تو دیوار بیچ پڑوسی کے ساتھ کرنا چاہئے۔ پھر بقیہ اہل محلہ کے ساتھ۔ پھر اہل شہر کے ساتھ۔ یہ صحیح ہمدردی اور جائز عصبیت ہے۔ (۳) اس سلوک کو مواسات کہتے ہیں۔ اس میں سلام، کلام، شگفتہ مزاجی، ہدیہ، دعوت، عیادت، تعزیت اور میت کے گھر والوں کی ضیافت، ملاقات، مشورہ، ہمدردی سب داخل ہے۔ مگر جن لوگوں (مثلاً کفار، مشرک، اہل بدعت) کے ساتھ دین نے "نخلع ونترک من یفجرک" کا حکم دیا ہے۔ ان سے اللہ کے خیال سے قطع تعلق رکھے (نمبر ۱ بھی دیکھو)

۸۔ حسن خلق وحسن معاملہ | قرآن "اگر تنگدست ہو تو اس کو فراخی کے وقت تک کی مہلت دیا کرو (البقرہ) حدیث ۱ "ایک شخص نے حضورؐ سے اپنے قرض کا سختی سے تقاضا کیا۔ صحابہؓ نے (اسکی بدتمیزی پر) اس کو مارنا چاہا۔ حضورؐ نے روکا اور فرمایا حق دار کو کہہ لینے کا حق ہے۔ اب اسے (ادائے قرض کے علاوہ) ایک اونٹ بھی خرید کر دو۔ تم میں سب سے اچھا وہ شخص ہے جو دوسرے کا حق اچھی طرح ادا کرے" (بخاری مسلم) حدیث ۲ "جو مسلمان کسی مسلمان کے عیوب چھپائیگا اللہ قیامت کے دن اس کے عیب چھپائیگا (بخاری) مطلب حسن خلق اور حسن معاملہ بڑا وسیع

باب ہے۔ حسن معاشرت کی بیشمار جزئیات اس میں داخل ہیں۔ (۱) حق دار کو اگرچہ کچھ لینے کا حق ہے
مگر پھر بھی اس کو انسانیت اور حوصلہ اور نرمی سے کام لینا چاہیئے۔ تقاضا سختی سے نہ کرے۔ دوسرے کی اہانت
نہ کرے۔ وہ مہلت مانگے تو اس کو مہلت دے تکلیف پر خود صبر کرے۔ (۲) مقروض کو حق دار کی باتیں
سن لینی چاہیئں بہت حساس بنکر اس کا برا ماننا اور شکایت کرنا نہ چاہیئے۔ ناگواری پر صبر کرنا چاہیئے۔
(۳) مقروض اپنی خوشی سے مطالبہ اور قرض کی رقم سے زیادہ ادا کرے تو یہ سود نہیں ہے۔ سود وہ ہے
جو قرض دینے والا قرض دیتے میں معاملہ کی گفتگو میں طے کرے اور زائد لینے کی خود خواہش کرے
(۴) مسلمان کو چاہیئے کہ جو کچھ اپنے لئے چاہے وہ ہر مسلمان کیلئے چاہے۔ اور جو اپنے لئے نہ چاہے وہ کسی مسلمان
کیلئے نہ چاہے۔ یہ عصبیت جائز ہے اور اسلام (جو ترقی اور عزت کے صحیح اصول کا دوسرا نام ہے) کبھی اپنے
ہم قوم کیلئے خصوصاً اور تمام انسانوں بلکہ ساری کائنات کیلئے عموماً نیک سلوک اور ہمدردی کی تعلیم کو بھول
نہیں سکتا تھا وہ تنگ نظری نہیں سکھا سکتا۔ (۵) اس باب میں ایک چیز "کفار سے دوستی" بھی ہے
اس کیلئے نمبر ۱۲ اور نمبر ۱۶ بھی دیکھ لو نیز ذیل کی مختصر تفصیل پر بھی غور کرو۔ اس سلسلہ میں تین چیزیں ہیں
مدارات، مواسات، موالات۔ ہر ایک کا حکم مختصراً یہ ہے کہ مدارات معنی ہیں نرم گفتگو، خندہ پیشانی
سے پیش آنا، ملاقات کرنا۔ اس کے حکم کی تفصیل یہ ہے کہ (الف) جب اپنا دین برباد ہو یا دینی حکم کی پابندی سے
محرومی ہوتی ہو یا مالی منفعت کیلئے یا عہدہ، اعزاز، خطاب حاصل کرنے کی غرض سے ہو تو کفار سے ایسے وقت
مدارات حرام ہے۔ (ب) کفار سے جب کسی ضرر کا قوی اندیشہ ہو یا کافر کے اسلام لانے کی توقع ہو یا کوئی
اجنبی کافر کسی مسلم کے ہاں مہمان آجائے۔ ان تینوں صورتوں میں کافر مہمان کی ضیافت، کافر کو ہدیہ اور کافر کی
آبرو بچانے اور اس کی ایذا سے بچنے کیلئے کچھ دینے وغیرہ کی اجازت ہے (نمبر ۷ بھی دیکھ لو) **مواسات**
کہتے ہیں عام انسانی ہمدردی۔ عام انصاف۔ عام نیکی۔ عام نفع رسانی۔ عام نفلی صدقہ وخیرات کرنے کو
اس کے حکم کی تفصیل یہ ہے کہ (الف) جن کفار سے مسلمانوں کی دین و مذہب کے اختلاف اور عناد کی بنا پر
جنگ ہو یا بلوؤں اور فسادوں کے ذریعہ وہ مسلمانوں کو ستائیں ان کے ساتھ مواسات حرام و ناجائز ہے
(ب) جن کفار نے مسلمانوں کو ان کے دین کے معاملات میں اختلافِ مذہب کی بنا پر نہیں ستایا نہ گھر سے نکالا

انکے ساتھ مواسات جائز ہے (دیکھو نمبر۲)۔ موالات کہتے ہیں دلی دوستی کو اعتبار و اعتماد کو ہمدردی اور خیرخواہی کی توقع کو، رازداری اور مشورہ قومی میں شرکت کو، قانون سازی کو، خلاملا اور بے تکلفی کو، تو یہ کفار سے کسی حال میں جائز نہیں حرام اور مسلمانوں کیلئے مہلک ہے۔ قرآن میں اسکی سختی سے ممانعت ہے، ایک جگہ ارشاد ہے "جو ان سے تولیٰ اور دوستی رکھیگا اس کا شمار انہیں میں ہوگا" معاذ اللہ۔

۱۷۔ انفاق فی الحق یعنی مفید قومی فنڈ | قرآن "اللہ کی راہ میں خرچ کیا کرو اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالا کرو" (بقرہ) حدیث "اللہ نے تمھارے لئے مال برباد کرنا ناپسند کیا ہے۔" (بخاری مسلم) مطلب "(۱) یہ شعبۂ ایمانی مال کی آمد، جمع اور خرچ کے بارہ میں ایک طویل باب ہے۔ ترقی اور کامیابی کے حصول میں مالیات کے مکمل نظام کی اور آمد و خرچ کے ضابطوں کی بڑی اہمیت ہے۔ (۲) مال کو اللہ نے قرآن میں "انسان کے قیام کا ذریعہ" فرمایا ہے۔ یعنی چیزیں خریدنے کا ذریعہ، زندگی چلانے کا سہارا، حاجات پورے کرنیکا وسیلہ بلکہ دشمنوں سے "مقاومت اور مدافعت" کا وسیلہ۔ اس سے قلب میں قوت اور اطمینان ہوتا ہے۔ بشرطیکہ اس کی زکات نکلتی رہے۔ ورنہ پھر اسی مال سے قلب میں بزدلی و شقاوت پیدا ہوتی ہے۔ (۳) نیکوکار آدمی کیلئے پاک مال کو رسول ؐ نے بہترین چیز فرمایا ہے۔ پس مال کی قدر کرنی چاہئے۔ ایک مسلمان مال میں خدا کا خزانچی ہے نہ کہ مالک۔ (۴) اگر انسان انصاف سے غور کرے تو معلوم ہوگا کہ اس کی جائز آمدنی جتنی ہے وہ اکثر اس کی اور اس کے متعلقین کی واقعی ضروریاتِ زندگی سے زیادہ ہی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ اللہ نے ہر مسلمان کے زائد مال میں اپنے دوسرے غریب بندوں کا بھی حق رکھا ہے۔ تاکہ وہ آزمائے کہ کون شخص کتنا مال اللہ کے حکم کے مطابق مفید کاموں میں خرچ کرتا ہے اور کون شخص خلافِ حکم غیر مفید کاموں میں اڑاتا ہے اور ایک دن اللہ ہر بندے سے پائی پائی کے درآمد اور برآمد کا حساب لیگا اور اس کی سزا یا جزا دیگا۔ (۳) اپنا اور اپنے واقعی متعلقین کا سادگی سے کھانا، پہننا، رہنا۔ اس کے بعد دین پھیلانا یہ تو ضروری اخراجات۔ صحیح مصرف اور مفید خرچ ہیں۔ اس کو انفاق فی الحق کہتے ہیں اس کا حکم بھی ہے۔ (۴) صحیح مصرفوں اور واقعی مدوں میں ضرورت اور سادگی سے زیادہ

خرچ کر ڈالنا اسراف کہلاتا ہے اور وہ مذہب میں بھی منع ہے اور ہر متمدن قوم کے قومی ضابطوں میں اسراف کو ممنوع اور کفایت شعاری کو مامور ہونا چاہئے۔ (۵) صحیح مصرف اور واقعی مد میں خرچ نہ کرنا یا ضرورت سے بھی کم خرچ کرنا بخل کہلاتا ہے یہ بھی ممنوع ہے اور مثل بند ہوا اور بند پانی کے انسان کیلئے مضر ہے۔ (۶) صحیح مصرف اور واقعی مدات کے علاوہ بے موقع خرچ کرنا اور ایسی مد نکالنا جن کی ضرورت نہ قدرتی قوانین میں ہو نہ عقلی اصولوں میں اس کا نام تبذیر ہے مثلاً ناچ، آتشبازی، نام و نمود کی رسمیں وغیرہ یہ قومی زندگی کیلئے مضر اور مہلک اور متعدی بیماری ہے جو ایک سے دوسرے کو لگتی ہے ایسے لوگوں کو قرآن میں شیطان کے بھائی کہا گیا ہے۔ (۸) قومی اور اجتماعی بہتری کیلئے تہیدست (مسکین) اور تنگدست (غریب و فقیر) کو دینا اور مفید عام کاموں مثلاً پُل، کنواں، تالاب، مسجد، سرائے خانقاہ، مدرسہ، شفاخانے اور یتیم خانے وغیرہ بنوانا، مقروض کو قرض سے، غلام اور قیدیوں اور تاوان زدوں کو ان کے بار سے سبکدوش کرنا۔ نو مسلموں کی امداد کرنا وغیرہ کاموں کے لئے ایک پبلک فنڈ (بیت المال) ہونا بھی قومی ترقی کا اہم اصول ہے۔ ایسے فنڈ اور خزانے میں آمدنی تو ہو امیر مسلمانوں کے زکات، فطرہ، قربانی، نذر، کفارہ، عام خیرات، وقف، مالِ غنیمت، کھیت اور باغات کی پیداوار کی زکات وغیرہ سے اور اس کا خرچ ہو مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی ضروریات زندگی کو پورا کرنا۔ تاکہ قوم سے گداگری، افلاس، سود دینا وغیرہ مہلکات دُور رہیں (دیکھو نمبر ۱۴)

۴۳ ۔ جوابِ سلام و
۴۴ ۔ جوابِ عطسہ

قرآن "جب تم کو سلام کیا جائے تو تم اس سے اچھا جواب دو یا ویسا ہی لوٹا دو" (النساء) حدیث "ایک مسلمان کے حق دوسرے مسلمان پر چھ ہیں۔ بیماری میں عیادت، مرنے پر اس کے جنازہ، نماز اور دفن میں شرکت، بلانے پر (خواہ کسی کام سے ہو) جانا۔ ملنے پر سلام کرنا، چھینکنے پر دعا رحم دینا، وہ موجود ہو یا غائب مگر اس کی خیر خواہی کی بھلائی کرنا (ترمذی)

حدیث ۲ ایک صحابیؓ آنحضرتؐ کے پاس آئے لیکن نہ سلام کیا نہ اجازت مانگی آپ نے ان سے فرمایا باہر جاؤ کہو السلام علیکم کیا میں آجاؤں" (ترمذی) مطلب (۱) مسلمانوں کا سلام مسلمانوں کیلئے السلام علیک یا السلام علیکم ہے۔ اس لئے کورنش، آداب، روز بخیر وغیرہ بدعت اور غیر اسلامی

سلام ہیں اور بندگی کا لفظ کہنا حرام ہے۔ (۲) مسلمان اگر کافر کو سلام کرے تو اس وقت اسلامی تسلیم کے الفاظ یہ ہیں:
"السلام علیٰ من اتبع الہدیٰ یا ہداک اللہ" یا دنیاداری کا سلام آداب عرض، تسلیمات عرض ہے۔ (۳) سلام چونکہ
ایک دعا ہے خدا سے دوسرے مسلم کے حق میں اس لئے خواہ جان پہچان ہو یا نہ ہو سلام کرنا لازم ہے۔ (۴) سوار اور پیدل
کی ملاقات ہو تو سوار سلام کرے۔ خرد اور بزرگ ملیں تو خرد سلام کرے۔ تنہا شخص مجمع سے ملے تو تنہا سلام
کرے۔ کھڑا شخص بیٹھے کو سلام کرے (۵) سلام کرنا دل کی صفائی، دوستی اور خیر خواہی کی علامت ہے۔ اس لئے
حکم ہے کہ کافر، مشرک، بدعتی کو سلام کرنے میں خود ابتدا نہ کرے کیونکہ اس سے اللہ کیلئے جنگ یا عدم مدارات
ہے۔ کسی مسلمان سے اگر رنجش ہو تو تین دن سے زیادہ سلام و کلام کا تعلق نہ توڑے تاکہ باہم جلد صفائی
ہو اور اجتماعی شوکت میں کمی نہ ہو۔ (۶) سلام کرنا سنت ہے اور اس کا جواب دینا واجب ہے۔ پس خطوط
کا جواب دینا بھی (سلام ہی پر قیاس کر کے) بہت ضروری ہے کیونکہ سلام یا خط کے جواب نہ ملنے پر دوسرے
کی دل شکنی ہوتی ہے۔ اگر خط کا جواب نہ دے تو زبان ہی سے خط کے سلام کا جواب کہہ دے۔ (۷) سلام باتیں
کرنے سے پہلے ہونا چاہئے۔ (۸) کسی کے گھر جانا ہو تو پہلے سلام کرے پھر اندر آنے کی اجازت مانگے
اگر اجازت ملے تو اندر جائے ورنہ تین بار پکارنے کے بعد واپس چلا جائے۔ (۹) کسی مسلمان کے چھینکنے کے وقت
جب اس سے "الحمد للہ" "خدا کا شکر" کے الفاظ سن لے تب "یرحمک اللہ" کہے۔

۵۷۔ **ترکِ ایذا** | قرآن" اور غصہ پی جانے والے۔ اور لوگوں (کے قصوروں) کو معاف کر دینے والے
لوگوں کیلئے جنت ہے) اور اللہ تعالیٰ ایسے نیک کام کرنے والوں کو بہت پسند کرتے ہیں (نساء)
حدیث ۱: ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو نہ ابتداءً نقصان پہنچائے اور نہ انتقام میں ضرر یا نقصان
پہنچائے (دارقطنی) حدیث ۲: مسلمان تو وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ (کی ایذاؤں) سے مسلمان
بچے رہیں اور مومن پکا ایماندار اور درویش وہ ہے کہ تمام انسان (کافر ہوں یا مسلم) اس کی طرف سے اپنے
مال اور اپنی جان (اور آبرو) کیلئے مطمئن ہوں (ترمذی) حدیث ۳: ایک دن آنحضرتؐ نے منبر پر
جا کر فرمایا: "اے اسلام کا زبان سے دعویٰ کرنے والو کہ ایمان ابھی تک ان کے دلوں تک نہیں پہنچ سکا ہے
دیکھو مسلمانوں کو ستایا نہ کرو، ان کو رسوا کرنے اور شرم دلانے کی باتیں نہ کیا کرو، ان کی کمزوری

Scanned with CamScanner

اور غیبت تلاش کیا کرو جو اپنے مسلمان بھائی کے عیوب ڈھونڈیگا اللہ اس کے عیوب ڈھونڈیگا اور اللہ جس کے عیوب ڈھونڈے تو پھر اسے رسوا ہی کردیگا چاہے وہ گھر کے اندر ہی رہے (ترمذی) مطلب (۱) کسی قوم کی ترقی اور اخلاقی بلندی کیلئے بہت اہم ہے کہ قصور کو معاف کرنے، انتقام سے درگذر کرنے کی تعلیم پر بہت زور دیا جائے۔ تاکہ فسادات، پریشانی کم سے کم ہوں۔ (۲) آپس میں لڑنا اور انتقام کے درپے ہونا انسان کو اندھا بنا دیتا ہے۔ پھر انسان ایذا، آبروریزی، مالی نقصان وقتل، دشمنوں سے سازش، قوم فروشی، غداری، عیب جوئی اور عیب گوئی، حکام سے غیبت وشکایت غرض کسی شرمناک حرکت سے بھی باز نہیں آتا۔ آج مسلم قوم کی سب سے بڑی بدنصیبی آپس کی یہی پھوٹ اور ایذا رسانی ہے ورنہ مسلمان کو کفار نے کبھی نقصان یا شکست پہنچائی ہے نہ پہنچا سکتے ہیں۔ (۳) اسلام کے عام اور معمولی احکام ہی کے طفیل میں ایک مسلمان کم سے کم دوسرے مسلمان کی ہر قسم کی ایذا رسانی سے بچ جاتا ہے۔ ورنہ ایمان کی اصلی حلاوت تو یہ ہے کہ مسلمان کو کفار بھی دوست رکھنے لگیں اس لئے کہ ان کو اگر دنیا بھر میں اپنی دولت ومال۔ جان وآبرو کے بارہ میں کسی پر پورا اطمینان ہو سکتا ہے تو وہ صرف مسلمان کامل ہی پہ ہے

ع جادو وہ جو سر پہ چڑھ کے بولے۔

۱۱۱۔ بیہودہ مشاغل سے بچنا | قرآن "کچھ لوگ ایسے ہیں جو بیہودہ مشغلہ کی چیزیں خریدتے ہیں تاکہ لوگوں کو اپنی بے علمی اور حماقت سے (اسلام اور ترقی کے مفید کاموں سے) بھکائیں اور اللہ کے راستہ کو مذاق بنائیں تو ایسوں کے واسطے رسوا کرنے والا عذاب ہوگا (لقمان) حدیث ۱؎ کھیل اور بیہودہ مشاغل سب برے ہیں مگر ایک تو کمان سے تیر پھینکنا۔ دوسرے گھوڑے کو سدھانا تیسرے اپنی بیوی سے چہل اور کھیل کرنا۔ یہ تینوں کھیل فائدے کے ہیں" (ترمذی) حدیث ۲؎ مضبوط مسلمان کمزور مسلمان سے اچھا ہے اور اچھے تو سبھی مسلمان ہیں" (   ) مطلب (۱) مشاغل کچھ مفید ہوتے ہیں کچھ مضر پھر مفید مشاغل کچھ ایسے ہوتے ہیں جو براہ راست مفید ہوتے ہیں اور کچھ بالواسطہ مفید ہوتے ہیں۔ پس مضر مشاغل تو حرام اور گناہ ہیں اور براہ راست مفید مشاغل مثلاً نماز، درس، تجارت اور کمائی وغیرہ کا مستقل حکم ہے جو گزر چکا۔ اس عنوان میں بالواسطہ مفید مشاغل کا ذکر ہے۔ (۲) حفظ صحت اور دفع تکان

Scanned with CamScanner

اور دفع غم وغیرہ کیلئے عمدہ اور مفید مشغلے اور تفریحیں ہر اصول تمدن میں جائز ہوتے ہیں۔ شریعت نے بھی اس فطری تقاضے کا لحاظ کر کے اس کے حدود بتا دئے ہیں۔ (۳) بزمی مشاغل یہ ہیں مثلاً موسیقی، مصوری، تھیٹر، سینما دیکھنا، کتاب، اخبار کا مطالعہ، باجے بجانا یا سننا، ناچ سیکھنا یا دیکھنا، قصے کہنا یا سننا، شعر سنانا یا سننا۔ اسی طرح کچھ بزمی کھیل مثلاً جوا، چوسر، گنجفہ، تاش، پچیسی، اٹھارہ گوٹ، لوڈو، پنگ پانگ، سانپ سیڑھی، کیرم وغیرہ کھیلنا۔ ان کو تہذیب قدیم وجدید کی نگاہوں سے نہ دیکھنا چاہئے بلکہ مذہب کی عینک سے دیکھنا چاہئے۔ پس ان میں بعض حرام ہیں گو ان کو تہذیب جدید وقدیم کتنا ہی سراہے مثلاً مصوری، تھیٹر، سینما، باجے بجانا یا سننا، ناول اور جھوٹے قصے، یا دواوین یا اخبار پڑھنا اور سننا، ناچ، کہانی، بیہودہ شاعری، امرد یا غیر محرم عورت سے گانا سننا یا خود گانا سیکھنا اور اس سے کمانا، گراموفون وغیرہ۔ اسی طرح بزمی کھیل جو مذکور ہو چکے ہیں ان میں کوئی قابلِ توجہ فائدہ نہیں۔ صرف دماغ خرچ ہوتا ہے اور جسم میں سستی آتی ہے۔ وقت بیکار صرف ہوتا ہے۔ شطرنج میں حریف کی چالیں سمجھنے اور اس کی کاٹ کرنے کا فائدہ اگرچہ ہے اور بعض فقہا نے اس کو جائز کہا ہے مگر ہمارے امام صاحب رحمہ نے اسے بھی حرام کہا ہے۔ مفید کتب اور مفید رسائل واخبار کا مطالعہ، انبیاء وصلحا کے قصے کہنا وسننا۔ دینی اشعار سننا یا سنانا البتہ صحیح مقصد اور صحیح فائدے رکھتا ہے۔ رہے رزمی مشاغل مثلاً بانک، بنوٹ، کسرت، مگدر، لیزم، کشتی لڑنا، دوڑ، کبڈی، وغیرہ اچھے اور مفید ہیں۔ اس لئے ستر ڈھانک کر کھیلنا، کھلانا، دیکھنا دکھانا سب کی اجازت ہے۔ اسی طرح میدانی کھیل تیر کمان، غلیل، بندوق بازی، شمشیر زنی، گوپھن پھینکنا گھوڑے دوڑانا، چوگان، ہاکی، ٹینس، گیند بلا، فٹ بال وغیرہ کی اجازت ہے۔ ان سے بدن میں چستی آتی ہے، پسینہ سے زہر نکل کر طبیعت کو فرحت اور نشاط ملتا ہے جنگ اور مقابلہ میں کوشش کا تخیل پرورش پاتا ہے۔ یہ سب جائز ہی نہیں بلکہ انفرادی اور قومی قوت کے حصول کیلئے بیحد ضروری بھی ہیں (۴) کمان سے تیر پھینکنا اور گھوڑے کو سدھانا تو اوپر کی حدیث میں مذکور ہیں۔ اور دوسری احادیث میں دوڑ، تیراکی کی مشق کا حکم بھی وارد ہے۔ ان میں تجدید اور

Scanned with CamScanner

حصر مقصود نہیں ایک بار تفریح اور قومی کھیل کے طور پر آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کی دو جماعتیں
بنائیں اور ایک فریق کی طرف خود شامل ہو کر باہم تیر اندازی کی جنگ (صحیح مقابلہ) کرائی
اس پر قیاس کر کے کہا جا سکتا ہے کہ شہسواری، تیر اندازی کے تیغ وغیرہ کی علت کو مشترک
پا کر جائز اور مفید رزمی کھیلوں کی شریعت نے اجازت دی ہے۔ (۵) آنحضرت ﷺ خود بہت تیز
چلتے تھے وجہ ظاہر ہے کہ جسم میں پھرتی اور چستی رہے۔ راستہ جلد کٹے۔ دوریِ منزل سے جی
نہ گھبرائے۔ آج کچھ مسلمان عالموں کو دیکھئے تو تیز چلنے کو بھی خلافِ متانت سمجھتے ہیں۔ حالانکہ صاف
معلوم ہوتا ہے کہ جائز ورزشیں بھی ہر عمر کے مسلمان کیلئے دین میں مطلوب ہیں۔ اب غور کرو
کہ قومی ترقی کے اس گر پر مسلمان عامل ہیں یا کفار؟ عموماً مسلمان جوانی ہی سے دوڑ، جائز
کھیل بلکہ دو چار میل روز چل لینا ان سب سے کنارہ کش ہونے لگتے ہیں اور بڈھے اور حاکم
فرنگیوں کا یہ حال ہے کہ برابر رزمی کھیلوں میں شرکت کرتے رہتے ہیں۔ (۶) البتہ بزم کی
تفریحوں میں آنحضرت ﷺ نے اس چیز کا ذکر فرمایا ہے جس کے درست ہونے سے ایک قوم کا پورا
نظامِ عمران اور سماجی زندگی سنور سکتی ہے وہ یہ کہ جذبۂ شہوت کو اپنی بیوی سے چہل کر کے اور
مباشرت کر کے ایک سے نہ سہی چار تک سے خوب تسکین دے لو کہ طبیعت سیر ہو جائے پھر دوسری
طرف نگاہ کرنے کو بھی جی نہ چاہے۔ ہاں مگر اسراف سے بچنا اس میں بھی فرض ہے۔ (۷) چونکہ قرآن
میں ہے (جیسا نمبر ۶ میں گزرا) کہ "کافروں کیلئے جیسی اور جتنی قوت تم تیار کر سکو برابر کرتے رہو"
اور اوپر حدیث میں ہے کہ "مضبوط مسلمان بہتر ہے" پس اس حکم میں ایک طرف توپ گولہ بنانا، ہر
زمانہ کی لڑائی کے ہتھیار وغیرہ بنانا بھی داخل ہے اور دوسری طرف کثرتِ جماع سے بچنا
بھی داخل ہے۔ سہ بہ بے رغبتی شہوت انگیختن ۔ بہ رغبت بود خونِ خود ریختن (سعدیؒ)۔ (۸)
برے مشاغل سے چھڑا کر رسول ﷺ اپنی امت کو وقت کی قدر بھی سکھائی ہے۔ وقت کی قدر سے ترقی
ملتی ہے اور بے قدری سے تباہی۔

٧٧۔ راستہ سے تکلیف دہ چیز ہٹانا | حدیث ۱: ایمان کی کچھ اوپر ستر شاخوں میں کمترین شاخ

راستوں سے تکلیف کی چیزیں ہٹانا ہے (بخاری ملخصاً) حدیث ۲۔ ایک شخص راستہ سے گزر رہا تھا اس نے راستہ میں کانٹے دار شاخ پڑی دیکھی اس نے اسے ہٹا دیا کہ چلنے والوں کو تکلیف نہ پہنچے۔ اللہ نے اس کی قدر کی اور اس کو بخش دیا (بخاری مسلم) مطلب (۱) راستہ میں بستی کی سڑک اور گلی بھی داخل ہے اور گھر کے اندر صحن دالان اور کوٹھری میں آنے جانے کا راستہ بھی داخل ہے۔ (۲) ایذا کی چیزوں سے مراد کانٹا، پتھر، اینٹ، لوہا لکڑی اور گندگی کی چیزیں ہیں۔ جس چیز سے یہ اندیشہ ہو کہ کوئی اٹک کر گر یگا یا کسی کو تکلیف ہو گی اس کو ضرور راستہ سے ہٹا دے۔ (۳) اسی حکم کے عموم میں داخل ہے سڑکوں، نالیوں کی صفائی، راستوں کی درستی، مسافروں کی راحت کا سامان کرنا مثل پل، سرائے، کنواں وغیرہ بنوانا اور مسافروں کے خطرے اور ایذا کی باتیں دور کرنا اور راستوں کو پرامن بنانا وغیرہ بھی۔ یہ امور آج ہر حکومت متمدنہ کے فرائض میں داخل ہیں۔ ان امور کو آنحضرتؐ نے اس وقت اور اس ملک میں روشناس کر دیا۔ جہاں لوگ اس کے تصور سے بھی غافل اور ناآشنا تھے۔

خاتمہ ایک چہل حدیث اور مسلمان کی ایک دعا

اللہ کا شکر ہے کہ حدیث شعب الایمان کی شرح (یا رسالہ فروع الایمان کی تسہیل) اپنی بساط کے موافق ختم ہو گئی۔ اب اللہ سے دعا ہے کہ اس ناکارہ کے اس عمل کو اپنے فضل سے قبول فرمالے۔ اور امتِ محمدیہؐ کو خصوصاً اس سے نفع پہنچائے۔ ان کو اپنے گھر کی تعلیمات اور تہذیب کے اصولوں پر خوش ہونا، عمل کرنا، فخر کرنا اور مطمئن رہنا سکھائے اور انتم الاعلون اور لیستخلفنھم فی الارض کے وعدے پورے فرمائے۔ آمین۔

آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ماہِ ربیع الاول میں ہجرت فرمائی تھی تو یہ ہجرت پستی سے ترقی کی طرف، ضعف سے قوت کی طرف، گمنامی سے شہرت کی طرف، بے بسی اور محکومی سے حکومت

کی طرف اور مغلوبیت سے غلبہ کی طرف روانگی تھی۔ یہ ہجرت تو وطن کی ہجرت تھی مگر ہجرت صرف
ایک شہر کو چھوڑ کر دوسرے شہر چلے جانے ہی کو نہیں کہتے بلکہ بحکم "المہاجر من ہجر الخطایا والذنوب"
ہجرت برے اعمال کے ترک کرنے کو بھی کہتے ہیں۔ چنانچہ اس ہجرت کی بھی مشق آنحضرت ﷺ نے اپنے
پیارے صحابہؓ سے مکہ مکرمہ میں تیرہ برس تک کرادی تھی۔ جب اس کی مشق اور جفاکشی کی عادت
ہوچکی تو وطنیت کا بت توڑنے کیلئے آپ نے ہجرت وطن بھی کرادی۔ ترقی کا راز ان دونوں ہجرتوں میں مضمر ہے
مجھے یقین ہے کہ اب بھی مسلمان جب کبھی پستی سے ترقی کیطرف اور اپنی موجودہ محکومی
سے حکومت کی طرف جاسکیں گے تو صرف اسی شرط اور اسی صورت سے کہ مسلمان بھی ہجرت اعمال کے
واسطے آمادہ ہوجائیں اور یہ ہجرت اور آمادگی خدا کی خوشنودی کیلئے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے چونکہ
صحابہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ماہ ربیع الاول ہی میں ہجرت اعمال کا پہلا حکم دیا یعنی قرآن کا
نزول دنیا میں ہوا۔ پھر اسی ماہ ربیع الاول ہی میں ہجرت وطن کا حکم بھی خدا نے دیا۔ اس لئے
اس ماہ کو ہجرت سے خاص تعلق ہے۔ کاش ہمارے مسلمان بھائی اس ماہ ہجرت کی صحیح قدر پہچانیں اور آئندہ
اس ماہ سے ہجرت کا سبق سیکھیں اور ہجرت کو مسلمانوں کی اسلامی حکومت کا ذریعہ سمجھیں تاکہ قومی عروج اور اجتماعی غلبہ حکومت مسلمانان کا
تخیل انکے دلوں کو گرمائے۔ انکے حوصلوں کو ابھارے۔ انمیں قومی اور ملکی زندگی پیدا ہو اور ترقی کی از سر نو امنگ پیدا ہو۔
کاش مسلمان بھائی بھی رسول ﷺ اور صحابہ رسول ﷺ کی پیروی میں ہجرت اخلاق، ہجرت عقائد،
ہجرت معاملات، ہجرت معاشرات شروع کردیں اور ماہ مبارک ربیع الاول کے برکات گوناگوں
سے یہ برکت بھی حاصل کریں کہ ہر سال ماہ ہجرت کے آتے ہی اخلاق، عقائد، معاملات، معاشرات
میں سے صرف ایک ایک بات کو صحیح تعلیمات اسلام کے مطابق کرنے کی عادت ڈالیں اور جو
ممنوع باتیں اپنے اندر پائیں ہر قسم کی ایک ایک بات کو ترک کرنا شروع کردیں اور اپنے ذمہ
لازم کرلیں کہ سال بھر تک خود بھی اس پر سختی سے پابندی کریں گے اور اپنے بیوی بچوں سے بھی
عمل کرائیں گے۔ اور اس کے ضروری مسائل علما سے برابر پوچھتے رہیں گے۔ پھر دوسرے سال
چند دوسرے احکام کو اختیار اور ممنوعات کو ترک کریں۔ اس طرح کرنا شروع کردیں تو

چند ہی برسوں میں تو ملتِ مرحومہ کا انفرادی حال بھی اور اجتماعی حال بھی خدا جانے کیا سے کیا ہو جائے؟ پھر ارحم الراحمین کے رحم و کرم سے اور حضرت رحمۃ للعالمین کی تعلیمات کے طفیل میں اور ماہ مبارک ربیع الاول کی برکتوں سے مسلمانوں کو غلبہ اور قوت مل کر رہے۔ وما ذالک علی اللہ بعزیز۔

چہل حدیث

ہم نے مقدمہ کی فصل ۷ میں وعدہ کیا تھا کہ ہم آخر میں ایک عجیب چہل حدیث درج کریں گے جو ایک حدیث بھی ہے اور ساتھ ہی ساتھ چہل حدیث بھی ہے۔ یہ چہل حدیث حضرت مولانا الحاج الشیخ محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور کی کتاب "چہل حدیث متعلق قرآن پاک" کے آخر سے نقل کی جاتی ہے۔ حضرت شیخ نے "کنز العمال" سے نقل کر کے تحریر فرمایا ہے کہ اس کو حافظ ابوالقاسم ابن مندہ، ابن بابویہ رازی، ابن عساکر اور امام رافعی وغیرہ نے روایت کی ہے اور مولانا قطب الدین صاحب مہاجر مکی نے بھی اس کی توثیق فرمائی ہے:-

"عن سلمان رضی اللہ عنہ قال سئلت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الاربعین حدیثاً التی قال من حفظها من امتی دخل الجنۃ قلت وما ھی یا رسول اللہ۔ قال ان تؤمن باللہ[۱] والیوم الآخر[۲] والملائکۃ[۳] والکتب[۴] والنبیین[۵] والبعث بعد الموت[۶]۔ والقدر[۷] خیرہ وشرہ من اللہ تعالیٰ وان تشھد[۸] ان لا الہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ وتقیم[۹] الصلوٰۃ بوضوء سابغ کامل لوقتھا وتؤتی[۱۰] الزکوٰۃ وتصوم[۱۱] رمضان وتحج[۱۲] البیت ان کان لک مال وتصلی[۱۳] اثنتی عشرۃ رکعۃ فی کل یوم ولیلۃ والوتر[۱۴] لا تترکہ فی کل لیلۃ ولا تشرک[۱۵] باللہ ولا تعق[۱۶] والدیک ولا تاکل[۱۷] مال الیتیم ظلماً ولا تشرب[۱۸] الخمر ولا تزن[۱۹] ولا تحلف[۲۰] باللہ کاذبا ولا تشھد[۲۱] شھادۃ زور ولا تعمل[۲۲] بالھوی ولا تغتب[۲۳] اخاک المسلم ولا تقذف[۲۴] المحصنۃ ولا تغل[۲۵] اخاک

المسلم ولا تلعب[۲۶] ولا تلهُ[۲۷] مع اللاهين ولا تقل[۲۸] للقصير يا قصير تريد بذالك
عيبه ولا تسخر[۲۹] باحدٍ من الناس ولا تمش[۳۰] بالنميمة بين الاخوين واشكر[۳۱]
الله تعالى على نعمته واصبر[۳۲] على البلاء والمصيبة ولا تأمن[۳۳] من عقاب الله و
لا تقطع[۳۴] اقربائك وصِلهم[۳۵] ولا تلعن[۳۶] احداً من خلق الله واكثر[۳۷] من التسبيح
والتكبير والتهليل ولا تدع[۳۸] حضور الجمعة والعيدين واعلم[۳۹] ان ما اصابك
لم يكن ليخطئك وما اخطاك لم يكن ليصيبك ولا تدع[۴۰] قراءة القرآن على
كل حال (ترجمہ) حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم سے ان چالیس حدیثوں کے بارہ میں پوچھا جن کے بارہ میں آپ نے فرمایا
کہ میری امت میں سے جو شخص انھیں یاد (یا عمل کرکے ان کو محفوظ) کرلیگا تو وہ جنت میں
جائیگا میں نے کہا یا رسول اللہ! وہ کیا باتیں ہیں؟ تو آپ نے فرمایا تم دل سے مانو اللہ
کو اور قیامت کے دن کو اور تمام فرشتوں کو اور تمام کتبِ آسمانی کو اور تمام انبیاء کو اور
مرنے کے بعد پھر اٹھائے جانے کو اور تقدیر خیر اور تقدیر شر کو صرف اللہ ہی کیجانب سے مانو
اور زبان سے گواہی دیا کرو اس کی کہ خدا کے سوا کوئی حاکم و معبود نہیں اور اسکی کہ حضرت
محمد اللہ کا پیغام لانے والے ہیں اور ہر نماز کو پورے اور اچھے وضو کے ساتھ اس کے
اصلی وقت پر پڑھا کرو اور مال کی زکات دیا کرو اور رمضان کے روزے رکھا کرو اور
مال ہو تو اس گھر (کعبہ) کا حج کیا کرو۔ اور رات دن میں (فرض کے علاوہ سنتِ مؤکدہ کی)
بارہ رکعتیں پڑھ لیا کرو اور کسی رات میں وتر کی نماز نہ چھوڑنا اور اللہ کی ذات اور صفات
میں کسی شخص یا چیز کو بھی شریک نہ بنانا اور ماں باپ کے ساتھ نافرمانی اور سرکشی نہ کرنا اور
یتیموں کا مال ظلم سے نہ کھانا اور شراب نہ پینا اور زنا نہ کرنا اور اللہ کی جھوٹی قسم نہ کھانا
جھوٹی گواہی نہ دینا۔ اپنی مرضی اور طبیعت پر نہ چلنا۔ اپنے مسلمان بھائی کی غیبت (عدای)
نہ کرنا۔ بیاہی عورت کو تہمت نہ لگانا۔ اپنے مسلمان بھائی کو مال میں دھوکا نہ دینا۔ بخیل کو

نہ پڑنا۔ بیکاروں اور وقت گنوانے والوں کے ساتھ وقت برباد نہ کرنا۔ کسی ناٹے کو عیب لگانے کی نیت سے "ناٹے" کہہ کر نہ پکارنا۔ کسی انسان کا مذاق نہ اڑانا۔ دو مسلمانوں میں لگائی بجھائی نہ کرنا اللہ کی نعمتوں کی شکرگزاری (زبان سے بھی اور عمل سے بھی) کرتے رہنا۔ بلا و مصیبت میں برداشت کرنا۔ اللہ کی سزا سے نڈر نہ ہوجانا۔ اپنے رشتہ داروں سے تعلقات نہ توڑنا۔ رشتہ داروں سے تعلقات جوڑے رکھنا۔ اللہ کی کسی مخلوق (انسان ہو یا جانور) کو پھٹکار، کوسنا نہ دینا۔ سبحان اللہ (وبحمدہ)) اللہ اکبر اور لا الہ الا اللہ اکثر پڑھا کرنا۔ جمعہ عید بقرعید کی جماعت اور نماز میں شرکت کبھی نہ چھوڑنا۔ خوب یاد رکھو کہ جو چیز تم کو مل گئی وہ تم سے چوک نہیں سکتی تھی اور جو چیز تم کو نہیں مل سکی وہ تم کو ملنے والی ہی نہ تھی۔ اور قرآن کا پڑھنا کسی حال میں نہ چھوڑنا۔

دعا

ذیل کی دعا ایک متبرک دعا ہے جس میں خدا کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام محبوبوں اور دین کے مسلم الثبوت بزرگوں کے مبارک نام آئے ہیں اور ان کا واسطہ دیا گیا ہے۔ ہم اپنی اس کتاب کو اسی دعا پر ختم کرتے ہیں:۔

رحم فرما اے خدا بر من بجاہِ مصطفےٰ ؐ — در پئے صدیقؓ و فاروقؓ و غنیؓ و مرتضےٰؓ

در پئے سعدؓ و سعیدؓ و عبدرحمانؓ و زبیرؓ — بو عبیدہؓ طلحہؓ و بہرِ حسینؓ و مجتبےٰؓ

سودہؓ میمونہؓ جویریہؓ خدیجہؓ زینبینؓ — رملہؓ و حفصہؓ۔ صفیہؓ۔ ام سلمہؓ۔ عائشہؓ

بہر طیبؓ طاہر و قاسم براہیم سعید — بہر زینبؓ۔ ام کلثومؓ و رقیہؓ فاطمہؓ

بہرِ اہلِ بدرؓ و اہلِ شجرہؓ و اہلِ احدؓ — بہر انصارؓ و مہاجرؓ پر تو شمع حرا

(آمین)

(فائدہ) اوپر کے قطعہ میں اللہ اور رسول کے مبارک ناموں کے بعد چاروں خلفا کے نام ہیں

Scanned with CamScanner

پھر عشرہ مبشرہ میں سے بقیہ ۶ حضرات کے نام ہیں پھر حضرات حسنین رضؓ کے نام ہیں پھر تیسرے شعر میں گیارہ ازواج مطہرات کے نام ہیں جن کو قرآن نے اہل بیت کہا ہے۔ پھر چوتھے شعر میں رسولؐ کے چاروں صاحبزادوں اور چاروں صاحبزادیوں کے نام ہیں پھر پانچویں شعر میں تمام صحابہ رضؓ کو پانچ قسمیں کر کے بیان کیا ہے ان کے نام اور مدتِ عمر اور تاریخہائے وفات رسالہ اکمال حاشیہ مشکوٰۃ سے نقل کر کے یہاں درج کی جاتی ہیں تاکہ مسلمان اپنے اکابرِ دین سے فی الجملہ واقفیت رکھیں :-

نمبر شمار	اسمائے مبارکہ	عمر شریف	وفات
۱	حضرت سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	۶۳ سال	دوشنبہ ۱۲ ربیع الاول سنہ ۱۱ھ
۲	حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ	۶۳ سال	سہ شنبہ ۲۲ جمادی اخری سنہ ۱۳ھ
۳	" عمر فاروق "	۶۳ سال	چہار شنبہ یکم محرم سنہ ۲۴ھ
۴	" عثمان غنی "	۸۲ سال	شنبہ ۱۸ ذی الحجہ سنہ ۳۶ھ
۵	" علی مرتضیٰ "	۶۳ سال	دوشنبہ ۲۱ رمضان سنہ ۴۰ھ
۶	" سعد بن مالک "	۷۸ سال	—— سنہ ۵۵ھ
۷	" سعید بن زید "	۷۷ سال	سنہ ۵۱ھ
۸	" عبدالرحمان بن عوف "	۷۲ سال	سنہ ۳۲ھ
۹	" زبیر بن عوام "	۶۴ سال	سنہ ۳۶ھ
۱۰	" ابوعبیدہ بن الجراح "	۵۸ سال	سنہ ۱۸ھ
۱۱	" طلحہ "	۴۶ سال	پنجشنبہ ۲۰ جمادی الاولیٰ سنہ ۳۶ھ
۱۲	" حسین "	۵۸ سال	جمعہ ۱۰ محرم سنہ ۶۱ھ
۱۳	" حسن "	۴۷ سال	سنہ ۵۰ھ

نمبر شمار	اسمائے مبارکہ	عمر شریف	وفات
١۴	حضرت سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا	—	سنہ ۵۴ھ
١۵	" میمونہ "	—	سنہ ۶۱ھ
١۶	" جویریہ "	۶۵ سال	ربیع الاول سنہ ۵۶ھ
١۷	" خدیجہ طاہرہ "	۶۵ سال	سنہ ۳ ق ھ
١۸	" زینب بنت جحش "	۵۳ سال	سنہ ۲۰ھ
١۹	" زینب بنت خزیمہ "	—	—
٢٠	" ام حبیبہ رملہ بنت ابی سفیانؓ "	—	سنہ ۴۴ھ
٢١	" حفصہ بنت عمرؓ "	۶۰ سال	شعبان سنہ ۴۵ھ
٢٢	" صفیہ "	—	سنہ ۵۰ھ
٢٣	" ام سلمہ "	۸۴ سال	سنہ ۵۹ھ
٢۴	" عائشہ بنت ابی بکرؓ "	۶۳ سال	سہ شنبہ ۱۷ رمضان سنہ ۵۸ھ
٢۵	" زینب بنت رسول اللہ "	۷۳ سال	— سنہ ۸ھ
٢۶	" ام کلثوم " "	—	سنہ ۹ھ
٢۷	" رقیہ " "	۲۳ سال	سنہ ۲ھ
٢۸	" فاطمہ زہراء "	۲۸ سال	۳ رمضان سنہ ۱۱ھ

Scanned with CamScanner

تقریظ

از عالم جلیل محقق زماں حضرت ابو المآثر مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی مدظلہ صدر المدرسین
مدرسہ مفتاح العلوم۔ مئو اعظم گڑھ۔

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔ امابعد۔ اس ناچیز نے جناب مولانا سراج الحق صاحب مچھلی شہری کی کتاب مستطاب "فلاح وترقی کے اصول (یا حقیقی اسلام وتعلیمات رسولؐ)" کا حرفاً حرفاً مطالعہ کیا، ماشاء اللہ نہایت کارآمد اور بہت مفید کتاب ہے۔ انگریزی تعلیم یافتہ طبقہ کو تعلیمات اسلام سے مانوس، اور رسمی نہیں بلکہ حقیقی اسلام سے ان کو قریب تر لانے کی ایک بہتر کوشش کی حیثیت سے میں اس کتاب کی بہت قدر کرتا ہوں، اور مصنف کو مبارکباد پیش کرتا ہوں تقبل اللہ تعالیٰ عملہ وحقق امله ———— وانا الفقیر الی رحمۃ مولاہ الغنی

ابو المآثر حبیب الرحمٰن الاعظمی۔

مئو۔ اعظم گڑھ

تقریظ

از عالم جلیل سلطان المناظرین ادیب اریب مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ مدیر "الفرقان"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اپنے نہایت ہی محترم اور مخلص دوست مولانا سراج الحق صاحب کے اس رسالہ "فلاح وترقی کے اصول" کے اکثر حصے۔ بلکہ قریباً سب ہی کے مطالعہ کا اس عاجز کو موقع ملا، جیسا کہ مقدمہ سے ظاہر ہے اس رسالہ کی تالیف سے خاص مقصد جدید تعلیمیافتہ طبقہ کے رجحانات اور ان کے مخصوص طرز فکر کی رعایت رکھتے ہوئے حقیقی دینی تعلیم کو ان کے سامنے پیش کرنا اور اس طرح

۱؎ بجز دیباچہ کے یا چند الفاظ اور فقروں کے جو آخری تبییض میں بے اختیار اضافہ ہو گئے۔

Scanned with CamScanner

اُن کی ذہنی اور عملی اصلاح کی ایک کوشش کرنا ہے ۔ محترم مصنف بہت ہی ٹھیٹ قسم کے مسلمان اور دیکھنے میں خالص پرانے طرز کے عالم دین ہیں اور انہیں دیکھ کر کوئی نہیں سمجھ سکتا کہ "جدید تعلیم" یا "جدید دنیا" سے کچھ بھی آشنا ہوں گے ۔ لیکن درحقیقت وہ تعلیم جدید کے بھی قریباً منتہی ہی ہیں، اور عرصہ دراز سے جدید تعلیمگاہوں (اسکولوں اور کالجوں) ہی میں آئندہ گریجویٹ بننے والوں کو پڑھانا ان کا مشغلہ ہے، آجکل بھی انٹر کالج الہ آباد میں غالباً فارسی اور عربی کے استاد ہیں اس لئے جدید تعلیمیافتہ طبقے کے مزاج کو جاننے اور پہچاننے کا انہیں کافی موقع ملا ہے ۔ اس لئے ان کی اس تصنیفی محنت سے یہ توقع کرنی بالکل بجا ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ اپنے مقصد میں یہ پوری طرح کامیاب ہو گی، اور اسی کی اللہ تعالیٰ سے دعا ہے ۔

دین کی غربت اور کساد بازاری کے اس زمانہ میں اس قسم کی ہر مخلصانہ کوشش جو خالصاً لوجہ اللہ کی جائے بلاشبہ "جہاد فی سبیل اللہ" کی ایک فرد ہے اور حق تعالیٰ عزاسمہ کے یہاں اس کا وزن بہت زیادہ ہے ۔ دعا ہے کہ اللہ پاک مولانا موصوف کی اس تالیفی محنت کو بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی قرار دے کر قبول فرمالیں ۔ آمین!

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

۱۸ / شوال المکرم ۱۳۶۲ھ

پرنٹر حکیم رمضان علی اسرار کریمی پریس الہ آباد